خصوصیت اسلام
از
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم

جمیلی کتب خانہ
دار العلوم الاسلامیہ
کامران بلاک اقبال ٹاؤن
لاہور

7/6/2000
4/3/1421
WED: 6:45PM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر انسان فطری طور پر ہدایت کا متلاشی ہے۔ جیسے حدیث میں بھی آتا ہے:

کل مولود یولد علی الفطرۃ

تو نیک فطرت ہونے کی وجہ سے ہر شخص کے دل میں یہ جذبہ ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی تک پہنچنے کے لیے جو صحیح راستہ ہے اس پر چلے کیونکہ خالق حقیقی نے جب انسانوں کو پیدا کیا تو ان کے دل میں اپنی محبت کا جذبہ بھی رکھ دیا۔ لیکن اس تک پہنچنے کا حقیقی راستہ کونسا ہے۔ اس کے حصول میں انسان پریشان ہوتا ہے اس لیے کہ جب اپنے اردگرد نظر ڈالتا ہے تو ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مذاہب کو پاتا ہے جن میں سے ہر ایک اس بات کا مدعی ہے کہ وہ مذہب حق ہے اور وہی انسان کے خالق حقیقی تک پہنچنے کا صحیح ذریعہ ہے عیسائیوں سے ملیے تو وہ عیسائیت کو مذہب حق بتائیں گے یہود سے ملیں تو وہ یہودیت کو، ہنود سے ملیں تو وہ بت پرستی کو، مجوسی سے ملیں تو وہ مجوسیت کو، اور مسلمانوں سے بات کریں تو وہ اسلام کو نجات اُخروی کا سبب اور مذہب حق بتائیں گے۔ اب یہاں انسان پریشان ہو جاتا ہے کہ وہ کدھر جائے اور کدھر نہ جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد جہاں اس کے دل میں اپنی محبت کا جذبہ موجزن کیا کہ وہ اس کا متلاشی ہو وہاں اس کو عقل سلیم بھی عطا کی کہ وہ اس کے ذریعے دنیا میں موجود مذاہب کا موازنہ کرے اور اپنی عقل سے پرکھے اور دیکھے کہ کونسا مذہب حق ہے اور پھر صرف عقل ہی پر نہیں چھوڑا بلکہ ہر زمانے میں ایسے برگزیدہ بندے بھی بھیجے جو انسان کو راہ ہدایت دکھائیں اور بتائیں اور ان کو ایسی نشانیاں بھی دیں کہ جن سے ان کا مبعوث من اللہ ہونا معلوم ہو جائے۔ جن کو معجزات کہتے ہیں چنانچہ

سابقہ زمانے میں لوگوں نے انبیاء کو دیکھ کر اور ان کے معجزات کا مشاہدہ کر کے ہدایت کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن آج اس دور میں جبکہ اب نہ کوئی نبی آئے گا انسان کیسے یہ بات جانچے کہ مذہب حق کونسا ہے اور اس کو مالک حقیقی تک پہنچنے کے لیے کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیے تو سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی نبی آئے ہیں ظاہر بات ہے کہ سب کی تعلیمات میں کچھ تو فرق ہوگا اور ہے چنانچہ سب پر عمل کرنا تو محال ہے ان میں سے کسی ایک پر ہی عمل کیا جائے گا۔ عیسائی کہتے ہیں عیسائیت پر کیا جائے یہودی کہتے ہیں یہودیت پر کیا جائے اور مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام پر کیا جائے۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ العالی نے زیرِ نظر کتاب میں اسی بات کو خوب وضاحت سے ذکر کیا ہے کہ آج کے دور میں صرف مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جو نجات کا باعث ہے اور مالک حقیقی تک پہنچنے کا صحیح ذریعہ ہے جبکہ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے نبی آئے سب برحق تھے اور ان کی شریعتیں برحق تھیں لیکن وہ مذاہب صرف ان کے زمانے تک تو قابلِ عمل تھے اب قابلِ عمل نہیں ہیں اور اس وقت وہی دین حق تھے لیکن اب صرف اور صرف ایک مذہب ہی دینِ حق ہے باقی سب مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں اس بات کو سمجھنا کہ ہر مذہب اپنے زمانے میں دینِ حق تھا لیکن اب اس پر عمل نہیں کیا جائے گا ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔

جیسے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک لباس تیار کیا جاتا ہے اور وہ اس کے لیے بالکل مناسب ہوتا ہے لیکن جب دس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کو دوسرے لباس کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ پہلا لباس اس کے لیے کافی نہیں ہوتا اور جب بلوغت کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے جسم پر یہ لباس چھوٹا ہو جاتا ہے اور اس کے لیے ایک مزید

لباس بنایا جاتا ہے جو اس کے قد و کاٹھ کے عین مطابق ہوتا ہے اور اب چونکہ اس کا جسم بڑھن پوری کر چکا ہے اور قد مزید نہیں بڑھے گا تو اگر کوئی ایسا لباس سلایا جائے کہ جو نہ میلا ہو اور نہ پھٹے تو وہ لباس اس کو ساری زندگی کفایت کرے گا اور آئندہ اب کسی لباس کی ضرورت نہ ہو گی چنانچہ اسی پر سمجھیے کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تو ایک شریعت دی اور جب موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تو پہلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور دوسری شریعت دی اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلی غلط تھی بلکہ اسی طرح جیسے پیدا ہوتے بچے کے مناسب ایک لباس تھا لیکن دس سال کی عمر میں وہ اس کے نہیں آ سکتا اس کے لئے علیحدہ لباس ہوگا اسی طرح اب یہ مناسب ہے اور جب دنیا اپنی جوانی کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک آخری شریعت نافذ فرما دی جو اب آخر تک یعنی تا قیام قیامت انسانوں کے لیے کافی ہے اور پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہیں۔ جوانی کے لباس کی طرح۔

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے زیر نظر کتاب میں پچاس خصوصیات اسلام کی ذکر کی ہیں جو اس کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اب صرف اور صرف قابل عمل مذہب اسلام ہے اگر کوئی شخص مالک حقیقی تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کو صرف وہ طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو اسلام بتاتا ہے

فقط

ناشر

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک سائل کا سوال آیا کہ آخر اسلام میں ایسی کیا خصوصیات، کیا امتیازی شان اور کیا انوکھی تعلیمات ہیں کہ دنیا بھر کے سب مذہبوں سے اسی کو فوقیت حاصل ہو یہی نجات ابدی کا واحد سبب ہو جبکہ دنیا میں بہت سے مذہب موجود ہیں اس کو سب سے بڑھ کر برتری کیسے حاصل ہے۔ مہربانی کر کے اس کو خوب واضح کیا جائے تاکہ پریشان مخلوق اپنی نجات کی صحیح راہ آسانی سے انتخاب کر سکے اور مغالطوں سے بچ بچ کر سہولت سے یہ طے کر لے کہ اصلی دین کون ہے جعلی کون، اور اصلی دینوں میں سے کون منسوخ، (گزری مدت والا) ہے اور کون باقی ہے کس سے نجات ہو سکتی ہے اور کس سے نہیں۔

جواب میں عرض ہے کہ اپنی بضاعت کے موافق تقریباً پچاس[۵۰] خصوصیات پیش کی جاتی ہیں ان میں غور کر لیا جائے اور دوسرے دینوں پر بھی نظر کر لی جائے ممکن ہے آپ کو نجات کی راہ خوب صاف نظر آسکے۔ واقعی ہر انسان کو اس کی فکر ہونی چاہئے کہ اس دنیا میں آنے پر ہمارے کیا کیا کام ہیں کہ جن کے انجام دیئے بغیر ہمارا وجود بیکار بن جاتا ہے پھر اچھے کام کیا ہیں اور ان میں کے اچھے اچھے کاموں کے کیسے کیسے نتائج حاصل ہو سکتے ہیں اور کیا کیا برے کام ہیں جن کی وجہ سے ہم دنیا و آخرت کے عذابات کی چکی میں پس کر رہ جائیں گے، اور یہ کہ ہمیشہ کی نجات یا ہمیشہ کی تباہی

کس کس کام میں ہے۔ اسی انتظام کو دین، مذہب اور ملت کہا جاتا ہے یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ دین و مذہب ہر شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اختیار کرتا ہے اور جزا و سزا کام کے موافق ہوتی ہے۔ اگر اصلی دین حاصل ہوا تو ہمیشہ ہمیشہ کی راحت و آرام اور اگر جعلی و غلط اختیار کر لیا گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے ہولناک عذابات سر پڑیں گے۔ وقت ہے کہ ابھی خوب سوچ سمجھ لیں۔

دین اصلی یا جعلی

بعض مذہب جعلی ہوتے ہیں اور بعض اصلی۔ سب سے اول اسی کی شناخت کی ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ عمر بھر بھٹکتے ہی رہیں اور نتیجہ ابدی عذابات کا بر آمد ہو۔ ہر انسان فطری طریقہ پر نیکی و اچھائی کا طالب اور بدی و برائی سے متنفر ہے تو ہر ایک نیکی اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کا فطری جذبہ رکھتا ہے۔ لیکن واقعی و حقیقی نیکی کیا ہے اور اس کے حاصل ہونے کا صحیح ترین طریقہ کیا اور واقعی و حقیقی بدی کیا ہے اور اس سے محفوظ رہنے کا محفوظ ترین طریقہ کیا ہے تو اس کے لیے اوّل یہ غور کرنا ہوگا کہ یہ نیکی بدی اور ان کے حصول اور بچاؤ کے طریقے کیا نیکی بدی اچھائی برائی پیدا کرنے والے کے حقیقی واقعی بے مثال علم سے حاصل شدہ ہیں یا کسی مخلوق کے علم سے جس کو حقیقی و واقعی بات تک رسائی ہی نہیں ہو سکتی جس کے اپنے معمولی علم معمولی عقل معمولی معلومات معمولی تجربات چند روزہ نہ کہ ابدی ہیں گو اور سب لوگوں سے زیادہ علم سے حاصل ہوتے ہوں تو اس کے جعلی ہونے بلکہ اپنا یا مخلوقات میں سے کسی کسی کا پرستار بنانے والا ہونے کا خطرہ ہی خطرہ ہونا ایک کھلی بات ہے۔ اسی کو تو دین مذہب ملت کا نام دینا ان ناموں کی توہین کرنا ہے دین اور مذہب صرف واقعی و حقیقی یعنی خلاق عالم کا نازل کیا ہوا ہی ہو سکتا

ہے اس کے علاوہ تو صرف دھوکا ہی دھوکا ہے۔ ذرا سوچ کر دیکھئے کہ ہر کلام اور ہر بات سے خدا کے کلام اور ان کی بات کو وہی درجہ حاصل ہے، جو خود ان کی ذات کو ہر مخلوق سے حاصل ہے اس لیے ان کے کلام کے قریب بھی کسی کی بات نہیں ہو سکتی۔ دوسری بات یہ غور کرنے کی ہو گی کہ خدائی نازل کردہ مذہب صحیح آج اس دنیا میں کون سا ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے چند خصوصیات جو مذہب اسلام کو حاصل ہیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) وحی الٰہی کا بعینہ وجود

ظاہر بات ہے کہ دین اصلی تو وہی ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ خلاق عالم کے بیمثال و غیر محدود علم نے اور کل کی کل اشیا کے پیدا کرنے والے نے حقیقی و واقعی نیکی و بدی کے اور ان کے حصول و بچاؤ کے قوانین بھیجے ہیں۔ انہی قوانین کا نام ہے وحی۔ اگر وحیٔ الٰہی موجود ہے تو دین اصلی بھی موجود ہے۔ اگر موجود نہیں تو پھر اس کے اصلی و خدائی دین کہنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ وحی الٰہی حرف حرف نقطہ نقطہ زیر و زبر سمیت بعینہ آج تک جو موجود ہے وہ صرف اسلام میں ہے۔ آج کسی سماوی دین میں دنیا بھر میں کہیں بھی وحی الٰہی محفوظ نہیں، کہیں بعینہ موجود نہیں، تو غور کیا جائے کہ پھر آج اصلی دین کون ہو سکتا ہے اور نقلی و جعلی کون۔

(۲) وحی کا انتہائی محفوظ وجود

اسلام میں وحی الٰہی پوری کی پوری زیر و زبر حرکتوں اور ملاپ ٹھہراؤ وغیرہ سمیت ایسی حفاظت سے موجود ہے کہ دنیا بھر سے تمام کتابیں تمام نوشتے قطعاً نیست

ونابود کردیے جائیں تب بھی یہ وحیٔ الٰہی برابر حرف حرف، نقطہ نقطہ، حرکت حرکت، سکون، تشدید، ٹھہراؤ وغیرہ کے ساتھ، لاکھوں کروڑوں سینوں میں موجود ہے۔ اگر دنیا بھر میں کہیں کوئی اور وحیٔ الٰہی موجود بھی ہوتی تو ایسی حفاظت واستحکام سے نہ ہو پاتی۔ بات یہ ہے کہ پہلی وحیوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہ لی تھی۔ صرف قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ دوسرے یہ کہ دوسری وحییں وقتی ادیان کے لئے تھیں۔ اسلام کی وحی تا قیامت تھی اس لیے اس کی حفاظت سب سے زائد ضروری تھی۔ ایسی حفاظت سے اور کوئی وحی نہیں ہے۔ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (بیشک ہم ہی قرآن کے محافظ ہیں)

(۳) وحی الٰہی اصل کلام ہے نہ کہ ترجمہ

بعض سماوی دینوں میں ان کے یہاں کی وحی الٰہی کے صرف ترجمے ملتے ہیں اسلام کی طرح جیسی جیسی وحی نازل ہوتی تھی وہ محفوظ نہیں اور ترجموں کو ہی کلام الٰہی یعنی وحی قرار دیا جاتا ہے جبکہ سب جانتے ہیں کہ آسمان سے یہ ترجمے نازل نہیں ہوئے دوسری زبانوں میں وحی نازل ہوتی تھی وہ باقی نہ رہی ترجمہ تو انسان کا کلام ہے اس کو خدائی کلام اور وحی قرار دینا تو خدا تعالیٰ پر تہمت لگانا ہے جس کا انجام ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اور پھر یہ بھی یقین نہیں ہو سکتا کہ ترجمے صحیح بھی ہیں یا نہیں کیونکہ جب نہ اصل وحی بعینہٖ موجود ہو نہ اس کی زبان دنیا میں موجود نہ زبان کو جاننے والے، سمجھنے والے موجود، تو کون یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ترجمہ صحیح ہے یا محض تہمت۔ حیرت ہے کہ پھر اُسے کلامِ الٰہی کہہ دیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کا پورا ترجمہ ممکن ہی نہیں اس لیے کہ بعض جملوں کے کئی کئی مفہوم عقل سے بن سکتے ہیں مگر ترجمہ نام سے متعدد مفہومات میں سے صرف

ایک ہی کو لیا جا سکتا ہے حالانکہ ترجمہ کی حقیقت یہ ہے کہ صاحب کلام کے پورے پورے مقصود کو دوسری زبان میں ادا کر دیا جائے ایسا نہ ہو یا ہو ہی نہ سکے تو اس کا ترجمہ ۱/۸ مفہوم ہوگا۔ اس کو پورا مفہوم کہنا تہمت نہیں تو کیا ہوگا (مثال کے طور پر سمجھئے کہ الحمد سے مفہوم آٹھ عدد بن رہے ہیں۔ ع ۱ و ع ۲ مصدر معروف و مجہول، یعنی تعریف کرنا اور تعریف کیا جانا ع ۳ و ع ۴ حاصل مصدر معروف و مجہول اس مفہوم کے لئے اُردو میں لفظ ہی نہیں فارسی میں ستائش اور ستودگی ہے ع ۵ و ع ۶ استمراری مصدر معروف و مجہول۔ تعریف کرتے رہنا۔ تعریف کیا جاتا رہنا ع ۷ و ع ۸ مبنی للفاعل مبنی للمفعول یعنی تعریف کرنے والا ہونا، تعریف کیا ہوا ہونا) ترجمہ کرنے والا ایک لفظ کی جگہ ایک ہی لفظ تو لائے گا۔ اور کسی زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس میں یہ آٹھوں مفہوم درج ہوں تو لامحالہ ایک ہی مفہوم لے گا۔ تو وہ ترجمہ ۱/۸ ہوا۔ پورا ترجمہ بھی نہیں ہوا بلکہ حقیقی ترجمہ نہیں ہے۔ اسے مجازی طور پر ترجمہ کہہ دیتے ہیں اس کو کلام الٰہی اور آسمان سے نازل ہونے والی وحی قرار دینا ذرا غور تو کیجئے کیسا سخت اتہام ہے اس اتہام پہ دین کا مدار ہوگا تو وہ دین کیسا ہوگا کیونکر ہوگا۔

(۴) حفاظت کیفیات حروف و حرکات وحی اور ٹھہراؤ و ملاپ

وحی الٰہی جب نبی علیہ السلام پر نازل ہوتی ہے وہ فوراً اس کو اسی طرح ضبط کرتے اور پھر دوسروں کو پڑھاتے، یاد کراتے ہیں۔ پھر ان سے سیکھنے والے ہر ہر حرف پر غور کرتے ہیں کہ کون حرف زبان، تالو، دانتوں، ہونٹوں سے کس کس جگہ سے کس کس صفت کے ساتھ نکلا ہے ہم کو ایسے ہی نکالنا ہے۔ پھر ہر ہر حرکت پیش، زبر، زیر تشدید سکون، دو دو پیش اور زبر، زیر کیسے کیسے ادا کئے الفاظ میں کس کس کے بعد ٹھہراؤ کیا۔ سانس توڑا کس کس کے بعد نہیں ان تمام صفات و کیفیات کو شاگرد در شاگرد تاقیامت

محفوظ کیا بلکہ اس کے لیے پورا فن "تجوید" نام سے تا قیامت عمل کرنے کے لئے مدون کر دیا ہے اور پھر حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک بلکہ قیامت تک سب محفوظ اور ہزاروں سیکھنے سکھانے والوں سے پختہ ثبوت سے موجود ہیں۔ اگر ساری دُنیا میں کہیں بھی کسی وحی الٰہی کا وجود ہوتا تو حرفوں کی ان کیفیات تک کی حفاظت کہیں نہ مل سکتی۔

۵ حفاظت الفاظ و تعلّقات الفاظ و معانی الفاظِ وحی و تغیرّاتِ حرکات

ہر عبادت نام ہوتی ہے فقروں کے مجموعہ کا۔ اور فقرہ نام ہے لفظوں کے مجموعہ کا، ہر لفظ اسم فعل حرف کوئی ہو، دو چیزوں کا مجموعہ ہے۔ مادہ اور صورت ہر ایک کے بدلنے پر مفہوم کچھ کا کچھ ہو سکتا ہے مثلاً حمد میں مادہ تو حا میم دال ہیں اور صورتیں بہت بہت احمد حماد حامد محمود اور تمام افعال کے صیغے ایک کثیر تعداد ہیں۔ مادہ کی حفاظت کے لیے پورا ایک فن علم "لغت" تغیراتِ صورت کے لیے پورا ایک علم "صرف" اور باہمی لفظوں کے تعلقات کے لیے تعلقات ان کے اثرات و مفہومات اور ان کے تغیرات کے باعث مختلف حرکات ان سب کے لیے بھی پورا فن علم "نحو" اور پھر لفظوں کے مقدم و مؤخر مع الف لام، بلا الف لام، تطویل و اختصار، فصاحت و روانی اور سب کے فوائد پر ایک مستقل فن "معانی" اسلام میں ایجاد کئے گئے اور برابر ان کا سلسلہ جاری ہے۔ اوّل تو کہیں وحی کامل ہی موجود نہیں۔ اگر کچھ لفظ ملتے ہیں تو ان کے ضبط و حفاظت کی کوئی صورت نہیں ہو سکی نہ کہ ایسی کہ ایک ایک قسم کی کیفیات کے لئے فن کے فن ایجاد ہو چکے ہوں۔

(۶) حفاظت طریقہ ہائے اخذ مفہوم

کوئی بات بلا دلیل کے مقبول نہیں ہو سکتی اور وحی الٰہی سے بڑھ کر کوئی دلیل ہونی ناممکن ہے اس لیے اجزائے وحی یعنی آیات واحادیث سے صحیح صحیح مفہوم حاصل کرنے کے اصول ضروری ہوتے ہیں۔ کچھ عقلی کچھ شرعی علم منطق عقلی اصول اور علم اصول فقہ نقلی وشرعی اصول الگ الگ مستقل فنون کی ضرورت تھی تاکہ فہم مراد میں خلل نہ واقع ہو سکے۔ یہ دونوں فن جو دونوں طرح کے اخذ مسائل کے لئے ضروری ہیں صرف مسلمانوں میں ہی دستیاب ہوں گے جو وحی الٰہی سمجھنے سمجھانے اور غلطی سے حفاظت کے لیے بیحد ضروری ہیں۔ یہ صرف وحی الٰہی کے فہم میں مددگار اور ہر غلطی کے محافظ اسلام ہی میں ملیں گے۔ نزول ہی میں ایجاد ہوئے۔

(۷) پختہ ثبوت

ہر وحی الٰہی کے لیے دو قسم کے نہایت پختہ ثبوت کی ضرورت ہے ایک ثبوت اس کا کہ یہ وحی الٰہی ہے کسی انسان جن دیو فرشتے کا کلام نہیں ہے دوسرا ثبوت اسی کا کہ نازل ہونے کے وقت سے آج تک جیسی نازل ہوتی تھی بعینہٖ محفوظ ہے پہلی بات کا ثبوت دو طرح ہے ایک یہ کہ خود وحی کی ذات کے اندر اس کے ناقابلِ انکار دلیل موجود ہو دوسرے باہر کے واقعات ومشاہدات کثرت سے اس کے عام مشاہدہ کے ہوں اور معتبر طریقہ سے آج تک نقل ہوتے آئے ہوں۔ پہلی قسم کا ثبوت تو یہاں یہ ہے کہ وحی اسلام نے اوّل سے ہی کل مخلوق کو چیلنج کیا کہ اگر کوئی شک وشبہ کرے تو اس جیسی کتاب لے آئے۔ پھر تخفیف فرمائی کہ دس سورتیں پھر اور تخفیف کہ ایک ہی سورت لے آو۔ پھر پیشگوئی اور دعویٰ کیا کہ تم اور تمہارے

مددگار ہر گز نہیں لا سکتے۔ اس پر کتنا کتنا جوش آیا ہوگا۔ مگر کوئی نہ لا سکا۔ اگر ایک بھی لا سکا ہوتا تو ساری دنیا مخالف تھی اس قدر اچھالتی کہ ہر ہر زبان پر آتا۔

یہ معجزہ ہے جیسے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو معجزے دیئے جاتے تھے، اور چونکہ جس وقت جس چیز کے لیے حد ماہر ہوں اسی قسم کی چیز سے ماہرین عاجز ہوں تو غیر ماہروں کا عاجز ہونا اعلیٰ درجہ میں ثابت ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جادو کا چرچا اور بڑے بڑے ماہرین تھے تو ان کو عاجز کرنے والا ایسا معجزہ دیا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے عہد میں طب و علاج کے ماہرین تھے تو لا علاج امراض و زندہ کرنے کا معجزہ عطا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا اور ماہرین کا ہر سال مقابلہ ہوتا تھا۔ سات قصیدے بطور چیلنج کعبہ شریف پر لٹکے ہوئے تھے اور یہ ماہرین اپنے سوا سب کو عجم (گونگا) قرار دیتے تھے۔ ایک بے پڑھے لکھے کے ذریعے سن کر ان کا کیا بنا ہوگا اور پھر یہ سن کر کہ ہر گز نہیں لا سکتے۔ اور ہر چیز کی خوبی اس کے ماہروں پر خوب ظاہر ہوتی ہے سنا ہوگا کہ مشاعروں میں کسی بچہ کے عجیب شعر پر استادوں نے غزلیں پھاڑ دیں کہ یہ بہتر ہے ہم سے۔

دوسری قسم باہر کا ثبوت وہ واقعات و مشاہدات ہیں جو سب کے سامنے ہوتے تھے کہ حضور اونٹنی پر سوار تھے وحی آئی تو اس کے وزن سے وہ بیٹھ گئی۔ سب قافلہ کھڑا رہا۔ ایک صاحب کی ران پر حضور کا سر تھا وحی آئی تو کہتے ہیں میری ہڈی ٹوٹنے لگی۔ لوگ سوال کرتے اور حضور جواب نہ دیتے کہ عجیب بے خودی اور شدت کی کیفیت ہوتی افاقہ پر نازل شدہ حکم دیتے۔ یہ روز روز سب کے مشاہدے تھے جو حدیثوں کی معتبر کتابوں میں معتبر سند سے موجود ہیں۔

دوسری قسم ثبوت کی یہ کہ وحی الٰہی اگر کسی دین کے پاس موجود ہو تو چونکہ کوئی دعویٰ بدوں ثبوت کامل کے قابل قبول نہیں ہو سکتا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک

آنے کا ثبوت جب تک پکا پختہ نہ ہو وہ قابلِ اعتبار نہیں ہوسکتی نہ ایسا دین قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے۔ پھر یقینی ہونے کا ثبوت عقلی چیز کا عقلی اصول سے ضروری ہوتا ہے اور نقلی چیز کا نقلی اصول سے۔ وحی الٰہی نبی علیہ السلام پر نازل ہوکر ہم تک پہنچتی ہے تو اس وقت سے اب تک نقلی اصول سے اس کا پکا پختہ یقینی ثبوت ضروری ہے ورنہ یہ کیسے مانا جاسکتا ہے کہ صحیح وحی ہے یا کچھ اور۔

ہر نقلی چیز کا یقینی بلا شک و شبہ ہونے کا ساری دنیا میں فقط ایک ہی ثبوت ہے اسی سے ہر شے یقینی ثابت ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ اوّل سے اب تک اس کے نقل کرنے والے مسلسل بلا تخلل کے اس قدر ہوں کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال قرار دیتی ہو جسے اسلام کی اصطلاح میں تواتر کہا جاتا ہے۔ ہم سب کو سینکڑوں حکومتوں سینکڑوں شہروں بہت سے دریاؤں ریلوں جہازوں کا یقین بلا شک و شبہ اسی لیے تو حاصل ہے کہ ان کو دیکھنے اور نقل کرنے والے اس قدر ہیں کہ عقل ان کے جھوٹا ہونے کو محال قرار دیتی ہے۔ گو ہم نے خود نہیں دیکھا۔ پس صرف یہی دلیل سب کے نزدیک ہر نقلی چیز کے یقینی ہونے کی ہے۔

اب آپ غور کیجیے کہ یہ ایسا پکا پختہ یقینی بلا شک و شبہ کا ثبوت صرف اسلام ہی میں ہے کہ اوّل سے آج تک ہزاروں لاکھوں اس کے نقل کرنے والے ہیں۔ اس کے حرف حرف نقطہ نقطہ زبر زیر پیش سکون اور تشدید اور ہر حرف کے نکلنے کی جگہ اور ہر ہر صفت کو بلکہ اور متعلقات کو بھی دل و دماغ میں پیوست رکھنے اور دوسروں کو پہنچانے والے مسلسل بلا تخلل اسی قدر ہوتے آئے ہیں۔ اب انصاف سے دیکھا جائے کہ اوّل تو کسی دین میں وحی الٰہی موجود نہیں اور جو آئی تھی وہ بعینہٖ نہ رہی اور اگر کچھ بھی مل سکے تو وہ ایسے پکے پختہ ثبوت سے ثابت نہیں تو کیسے کوئی اور دین صحیح ہوسکتا ہے ؎

یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا!
یا لا کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

تو فرمایئے کہ پھر کسی اور دین کو حقیقی واقعی یقینی خدائی دین کیسے مانا جا سکتا ہے بیشک اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (بے شک دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے) اور وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین طلب کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اب ہر ہر شخص کو یہ سوچنا پڑے گا کہ جس کو ہم نجات کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں آیا وہ پکے پختہ ثبوت سے یقینی طور پر ثابت بھی ہے یا نہیں۔ کہیں تمام عمر اور تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں اور ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب جہنم ہی مسلط کرا لیا جائے دونوں جہان کی زندگی کا یہ کام آسان کام نہیں۔ خوب غور سے کام لیا جائے ہمیشہ کی راحت اور ہمیشہ کا عذاب پختہ ثبوت والے کے اختیار و ترک میں ہو سکتا ہے۔

(۸) تشریحاتِ نبویہ

وحی الٰہی کے ہر ہر جملہ اور ہر ہر قانون میں کئی کئی معنے بھی بن سکیں گے جیسے ہر کلام کے ہر جملہ میں یہ ہوتا رہتا ہے تو اب یہ کیسے ثابت ہوگا کہ ان تمام مفہومات میں سے سب سے زیادہ صحیح بلکہ مرادِ الٰہی کونسا مفہوم ہے اور اس کے بغیر کہ مرادِ الٰہی متعین ہو سکے۔ کسی مفہوم کا حکمِ الٰہی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اور دین کا مقصود ہی معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس کی تعیین کی واحد صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ جس ذات پر وحی نازل ہوتی ہے وہی اس کی تشریح کر کے متعین کر دیں۔ کیونکہ خود الٰہی کا صحیح مفہوم اور مرادِ الٰہی سمجھ لینا ضروری ہے ورنہ وحی نازل کرنے سے کیا فائدہ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نبی مرادِ الٰہی سمجھ کر عمل کر کے اس کی تعلیم کریں ورنہ ہر شخص اپنی اپنی منشا

و خواہش کا مفہوم بنا بنا کہ گمراہ ہو گا اور اسی کو دین سمجھ کر ساری عمر جہل مرکب میں رہ کر جہنم رسید ہو گا بلکہ اپنی منشار کے مفہوم کو حکم الٰہی کہہ کر تہمت لگا نا ہو گا۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ وحی الٰہی کلیات اور اصولی قوانین ہیں اور سب کو ضرورت اس کی ہے کہ وہ ایک ایک جزئی کو معلوم کریں اور حکم الٰہی کی تعمیل کر کے دونوں جہان میں سرخرو ہوں۔ یہ جزئیات اپنی اپنی طرف سے ہر شخص تجویز کرے گا تو ان کے صحیح و حق ہونے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو سکتی ضروری ہے کہ وہی ذات جس کو پیامبر بنایا گیا۔ اس پیام کی تفصیلات و جزئیات بتائے اور سکھائے تاکہ لوگ غلط فہمیوں اور جہل مرکب میں پھنس کر گمراہ اور جہنم کا ایندھن نہ بن سکیں۔

سب دینوں میں ڈھونڈھ جائیے تو ایسی جزئیات و تفصیلات اور تمام تشریحات نبویہ وحی الٰہی کی کہیں نہ ملیں گی۔ یہ دولت صرف اسلام میں ہی ملے گی۔ یہاں پچاسوں کتابیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی ان تشریحات و تفصیلات و جزئیات سے بھری ہوئی ہیں جن سے اخذ کر کے چودہ سو سال سے علماء مسائل بتاتے رہتے ہیں۔ اگر کہیں اور وحی الٰہی موجود بھی ہوتی تو اس کی تشریح و جزئیات لوگوں کی خود تراشیدہ ہوتیں اور خدا و دین پر ان کی تہمت لگائی جاتی۔ امام شافعیؒ کا مقولہ امام شعرانی نے میزان کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ اس کا قرآنی ماخذ میرے ذہن میں نہ ہو۔

یہ تشریحات نبویہ ہی بڑا سرمایہ ہیں۔ پھر ان سب تشریحات کی حفاظت اس طرح کہ جس کے بیان کرنے والے اتنے رہے کہ عقل ان کا جھوٹا ہونا محال سمجھے یعنی متواتر یا صحابہ کے بعد اس قدر ہوئے تو مشہور اصطلاحی اور ان سے کم دو دو ہیں تو عزیز اور کہیں صرف ایک تو دو ایک ہیں تو ہر ہر راوی کے حالات کی تحقیق سے صحیح و ضعیف قرار پاتی ہے۔

متواتر و مشہور و صحیح سے تو حلال و حرام اور ضعیف سے فضائل معلوم کیے جاتے ہیں بعض لوگ غلطی کر بیٹھتے ہیں کہ مشہور کے معنے عرفی لے لیتے ہیں اور صحیح کے مقابل اردو محاورہ

ہیں غلط کو دے کر ضعیف کو غلط کے ہم معنے قرار دینے لگے تو یہ خود غلط ہے۔ ان تشریحات کی حفاظت کے لیے ایک فن کا فن بنایا گیا یہ "اصولِ حدیث" جس میں ان کی اقسام و شرائط ہیں اور صحیح کی شرطوں میں سے ایک کی بھی کمی رہی تو ضعیف ہو گی اس سے حرام و حلال کا ثبوت نہ ہوگا۔ مگر وہ حدیث تو ہے گو اس پایہ کی نہیں۔ بناوٹی اور جھوٹی تو نہیں۔ پھر حدیث تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل ہے اس کی اطاعت ضروری وہ تو ضعیف ہو ہی نہیں سکتی صرف اس کی سند صحیح کی شرطوں میں سے کسی ایک کی کمی سے ضعیف ہوئی لہٰذا صحیح و ضعیف معلوم کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طباعت کتب کے وقت تک ہر ہر بیان کرنے والے کا تذکرہ پھر ایک نہیں بہت بہت کتابوں میں موجود، اور پورا فن کا فن اسماء رجال بنایا۔ یہ عام تاریخوں کی طرح بے ثبوت نہیں ہے ہر ہر شخص کے حالات پر بہت بہت شہادتیں موجود ہیں۔ یہ تاریخ نہیں ہے کہ رطب و یابس بے ثبوت گپ شپ کسی نے جمع کر دی اور تاریخ نام دیدیا۔

ساری دنیا میں ڈھونڈھ جائیے تو ایسے ثبوت کی تشریحاتِ نبویہ کی کوئی چیز کہیں نہیں ملے گی۔ یہ صرف اسلام کے حصے میں آئی ہے پھر ان تشریحاتِ نبویہ میں بھی اگر کہیں نقل کرنے والوں کی کثرت سے معنی میں اختلاف ہوتا ہو تو اُن کی ترجیح و تفضیلت وغیرہ بھی ایسے مسلم العلم والعمل بزرگوں سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قرب اور قلبی نورانیت رکھتے اور سب آیات و احادیث کے ظاہر باطن، قوی اور ضعیف پر نظر گہری سے گہری رکھتے ہوں ان کی تحقیقات مجیبہ اصولوں سے تنقیح شدہ ہوں وہ معتبر ہو سکتی ہیں یا ایسے حضرات کسی مفہوم پر اتفاق کر لیں۔

(۹) نبی کی ذات نمونہ ہوتی ہے زندگی میں بھی بعد میں بھی

ابتدائے دنیا سے قیامت تک کے ہر دین الٰہی کے نازل ہونے کی صورت

یہی رہی کہ اسی قوم میں سے ایک کو منتخب فرما کر خلعت نبوت سے نوازا پھر ان پر احکام نازل ہوتے مگر سوال یہ ہے کہ احکامات تو لکھے لکھائے ہر شخص پر نازل ہو سکتے تھے پھر نبی کی کیا ضرورت رہی، تو بات یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کا کام فقط احکام کو پہنچانا ہی نہیں احکام پہنچانے کے ساتھ خود بھی ان احکام کے شدت سے پابند ہو کر سب کے لئے تعمیل کا ایک نمونہ بھی ہوتے ہیں کہ یہ عذر باقی نہ رہ سکے کہ ان احکام پر کسی کو عمل کی قدرت ہی نہیں اور غیر قوم یعنی جن فرشتہ بھی نہیں رکھا گیا تاکہ یہ بھی عذر نہ ہو کہ ہم تو انسان ہیں .... یہ سب کام ہمارے بس کے نہیں ہیں۔

اب یہ سمجھیے کہ احکام تو علمی راہبری ہیں اور تشریح ان کی تعلیم نبوی ہے اور ذات نبی ایک عملی راہبری ہے تو حق تعالیٰ نے یہ نمونہ بنا دیا ہے کہ ایسے بن کر آجاؤ نجات اس وقت ہوگی۔ قرآن شریف نے اس کا بھی اعلان کر دیا ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (اور بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے) رسول اللہ کا لفظ عام ہر نبی کو شامل ہے بتاتا ہے کہ نبی ہر زمانہ میں اسی لئے آتے ہیں کہ عملی نمونہ ہوں، تاکہ وحی سے علمی اور ذات نبی سے عملی دونوں راہبریاں مل سکیں۔

لیکن جب تک ہر نبی علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما رہیں گے تو نمونہ ہونے کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کو دیکھ دیکھ کر لوگ ایسے بن سکیں مگر وفات کے بعد لوگ کیسے اس نمونہ کے موافق بن سکیں گے حالانکہ خطاب سب کو ہے اور سب کے لیے نمونہ کے موافق بننا لازم ہے۔ تو بعد میں ان کا یہ نمونہ ہونا اسی وقت دین کا قرار پا سکتا ہے کہ جب پیغمبر علیہ السلام کے کل کے کل حالات وصفات بچپن جوانی بڑھاپا تعلیم وتعلم تلقین وتبلیغ عبادت وریاضت معاملات اخلاق معاشرت انتظامات خانہ وملک دوستوں، غیروں سے دشمنوں تک سے برتاؤ جنگ وصلح سفر حضر بڑوں، بچوں، بیویوں

سب کے تعلقات، ہر قسم کے معاملات، غرض کل عمر کے پیش آنے والے سارے کے سارے حالات بے کم و کاست زیادہ سے زیادہ مدون ہوں تاکہ ان کو دیکھ دیکھ کر ہی سب لوگ اپنے کو نمونہ کے موافق کر سکیں۔ لیکن جب آپ غور کریں گے دنیا بھر میں تلاش کریں گے تو انبیاء تو انبیاء، تمام عالم کی تمام آبادی میں ایک فرد بھی کہیں ایسا نہ پا سکیں گے جس کے ایسے ایسے پورے حالات اور صرف ایک دو میں نہیں سینکڑوں ہزاروں کتابوں میں اور کسی ایک زبان میں نہیں قریب قریب دنیا کی سب زبانوں میں ہوں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے حالات ملیں گے کیا یہ اس کی دلیل نہ ہوگی کہ سارے عالم نے زبان سے نہیں مگر عمل سے اس کو تسلیم کر لیا ہے کہ واقعی عملی راہبری کا کام صرف آپ کا ہی ہے اور صرف اسلام ہی کا طغرائے امتیاز ہے۔ اور اس کی بھی دلیل ہے تا قیامت یہی نمونہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ جب کسی اور دین کے پاس وحی الٰہی بعینہٖ موجود نہیں اور اگر کوئی کسی گوشہ میں موجود کا مدعی ہو بھی تو اس کا پختہ ثبوت نہیں اور اگر ہو تو مراد الٰہی یقینی معلوم و معین کرنے کے لیے نبی علیہ السلام کی تشریحات نہیں نہ کوئی عملی راہبری کی ہمیشہ کی صورت کہ زندگی میں جو نبی صاحب نمونہ تھے بعد میں اُن کے مکمل حالات و صفات یہ کام دے سکیں تو آخر کیسے کسی دین کو دین کہا جا سکتا ہے بیشک اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔)

(۱۰) ابتدائے دنیا سے آخر تک کا دین

چونکہ دین نام ہے احکام الٰہی کا اور احکام الٰہی اس ذات کے جس کا علم ازلی ابدی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ اس لیے ان احکام کا ایک ہی مجموعہ سارے

عالم کا دین ہونا ضروری ہے سوال ہو سکتا ہے کہ پھر مختلف دین کیسے؟ کیونکہ مختلف احکام کہ کبھی کچھ کبھی کچھ ہے یہ تو بے خبری لاعلمی یا کم علمی اور انجام سے ناواقفی کی دلیل ہوتی ہے جس کا العیاذ باللہ یہاں شائبہ بھی نہیں ہو سکتا اس لئے اول سے آخر تک کے لیے ایک ہی دین ہونا لازم ہے۔ تو جواب کے لیے یہاں ذرا سا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اختلاف اصل دین میں نہیں، وقتی عارضی احکام میں ہوتا ہے۔ سنئے دین مجموعہ ہوتا ہے اصول وفروع یعنی عقائد اور اعمال کا عقیدے تو خبریہ جملے اور واقعات کی نقل ہوتے ہیں وہ نقل مطابق اصل ہونی ضروری ہے تو وہ ہمیشہ ایک ہی رہیں گے خواہ واقعات ماضیہ یا حالیہ یا آئندہ کی حکایت ہوں۔ مثلاً خدا موجود ہے سب کو اسی نے پیدا کیا وہی جلاتا مارتا اور رزق دیتا ہے اور یہ یہ اس کی صفات ہیں اور یہ اس زندگی کے بعد دوسری آئے گی جزا و سزا ملے گی وغیرہ وغیرہ حکایت واقعہ واقعے مخالف نہیں ہو سکتی۔ اس لیے عقائد سب دینوں میں یکساں ہونے ضروری ہیں ورنہ ایک میں کچھ، ایک میں کچھ تو جو واقع کے موافق ہوگا صحیح اور دوسرا جھوٹ میں داخل ہوگا۔ جو تعلیمات الٰہیہ میں نہیں ہو سکتا۔ اس لیے عقائد تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر یکساں ہی رہنے ضروری ہیں۔ ان کی منسوخی و تبدیلی نہیں ہو سکتی کہ اس سے کذب لازم آئے گا کہ یا پہلی بات واقع کے خلاف ہے یا دوسری اور خلاف واقع کذب ہوتا ہے یہ منسوخ نہیں ہو سکتے باقی کچھ اعمال منسوخ ہو سکتے ہیں مگر لوگ منسوخ ہونے کے معنے ہی غلط لیتے ہیں اور خلجان میں پڑ جاتے ہیں نسخ کے معنی فسخ یعنی توڑ پھوڑ لے کر گڑ بڑ میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ نسخ کے معنی نقل یعنی دوسری شکل میں ظاہر کرنے کے ہیں اسی لیے حکیم و ڈاکٹر کے فن سے نقل کر کے ظاہر کیے ہوتے کو نسخہ اور ہر کتاب کی دوسری ظاہر کی ہوئی شکل کو بھی نسخہ کہتے ہیں در اصل یہاں نسخ نام ہے نامعلوم المیعاد حکم کی میعاد کو جو علم ازلی میں ازل سے مقرر ہے ختم کرنے کو ظاہر کرنا یعنی باطن سے

ظاہر میں نقل کر دینا ہے۔ عقیدے کے جو احکام ہیں وہ واقع کی حکایت ہیں ان میں معیاد و مدت کا احتمال ہی نہیں اس لئے وہ منسوخ نہیں ہو سکتے۔ ان میں میعاد ہی نہیں کہ جس کا ختم ہونا ظاہر کیا جا سکے۔

ہاں اعمال جو انشائیہ جملے ہوتے ہیں کہ یہ کرو یہ نہ کرو۔ یہ میعادی نہیں اور ان کی میعاد چار طرح کی ہوتی ہے۔ ایک[۱] تو یہ کہ دائمی یعنی ہمیشہ کے لیے ہو تو اس کی میعاد ہمیشہ ہمیشہ ہونی بتادی گئی۔ دوسرے[۲] یہ کہ ان کی میعاد و مدت صاف مقرر ہے جیسے بعض کاموں کا وقت مقرر ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ نہیں رہے گا۔ روزہ غروب تک ہے تو غروب کے بعد نہ رہے گا۔ تیسرے[۳] وہ جن کی میعاد صاف مقرر نہیں بتائی گئی۔ گو علم الٰہی میں مقرر ہے مگر فرمادیا گیا ہو حتی یاتی اللہ بامرہ (جب تک اللہ تعالےٰ اپنا دوسرا حکم لائیں) چوتھے یہ کہ اتنا بھی نہ فرمایا گیا ہو مگر دوسرا حکم اسی نبی پر اس کے خلاف آ جائے یا دوسرے نبی پر آجائے تو اس سے اس کی میعاد کا ختم ہونا ظاہر کر دیا جائے اس دوسرے حکم پر پہلے کی میعاد ختم ہو کر وہ خارج المیعاد بن گیا۔ اس تیسری چوتھی صورت کو نسخ یعنی نقل ختم میعاد کہا جاتا ہے۔ بظاہر تو پہلے حکم کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے مگر علم ازلی ابدی میں اوّل سے ایسے ہی مقررہ میعاد کا ہے ظاہری صورت کو کوئی تبدیلی مجازی معنے سے کہہ دے تو حرج نہیں مگر یہ علم الٰہی کے بالکل موافق ہے شروع بھی آتھا بھی۔ یہ قدیم حکم منسوخ یعنی خارج المیعاد اور دوسرا ناسخ یعنی میعاد کا ختم ہونا بیان کرنے والا ہوتا ہے اس قدیم عارضی (میعادی) کی مدت کا ختم ہونا اسی جدید حکم کے آنے سے معلوم ہوتا ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ ہر آدمی و جانور وغیرہ کی عمر الٰہی ازلی ابدلی میں مقرر ہے مگر ہم کو معلوم نہیں جب خلافِ زندگی حکم یعنی موت آجائے گی اس سے ظاہر ہو گا کہ اس کی عارضی میعادی زندگی کی مدت ختم ہو گئی ایسے ہی اس قدیم میعادی حکم کی جو میعاد معلوم نہ تھی وہ دوسرے خلاف حکم آجانے سے خواہ اسی نبی پر آئے یا بعد کے نبی پر ظاہر ہو گا کہ اس کی میعاد اب ختم ہو چکی ہے جو کہ

علم الٰہی میں پہلے سے مقرر تھی اور اب وہ خارج المیعاد ہو کر عمل کے قابل نہیں رہا بلکہ اس پر عمل منع ہو گیا۔
اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے یہاں عالم کو وسیع کرنے کے لیے یہ حکم آیا تھا کہ صبح و شام جو ایک بیٹا ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ صبح کی بیٹی کا شام کے بیٹے سے اور شام کی بیٹی کا صبح کے بیٹے سے نکاح کر دیا کریں۔ اس حکم کی میعاد نہیں بتائی گئی تھی جب دوسرے دین کے وقت اس کی میعاد ختم ہو گئی اس کے خلاف حکم آ گیا یہ منسوخ خارج المیعاد اور دوسرا ناسخ ختم میعاد کو نقل کرنے والا ہو گیا۔

لہٰذا ہر دین الٰہی میں یہی ہو گا کہ عقیدے جو مدت کا احتمال ہی نہیں رکھتے ہیں ان میں برابر قائم رہیں گے اور اعمال جو دائمی ہوں گے وہ بھی بدستور قائم ہوں گے اور جو میعادی تو ہوں گے مگر ان کی میعاد ختم نہیں ہوتی باقی ہے وہ بھی برابر رہیں گے۔ ہاں جن کی میعاد مقرر تھی اور ختم ہو گئی یا معلوم نہ تھی اب دوسرے دین کے مخالف حکم سے ختم ہونا معلوم ہو گیا وہ خارج المیعاد ہو گئے وہ اب خدائی احکام بھی نہیں رہے جیسے رات آ جانے سے روزہ نہیں رہتا۔ لہٰذا ابتدائے دنیا سے قیامت تک کے سب دین عقائد اور دائمی اور میعاد باقی والے اعمال میں بھی سب ایک ہی دین ہیں یہی اسلام ہے جو حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے ہر زمانہ میں رہا ہے۔ لہٰذا اگر قدیم زمانہ کا کوئی انسان اب پھر کسی طرح آ جائے تو اس کا دین وہی دین ہو گا جو اس وقت ہے عقائد دائمی اور میعاد باقی والے اعمال خواہ وہ آنے والے اصحاب کہف آئیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ منسوخ شدہ یعنی میعاد نکلے ہوئے احکام اب احکام ہی نہ رہیں گے۔ احکام سب کے لئے اب وہی عقائد دائمی اور دائمی اعمال اور باقی میعاد والے اعمال ہیں۔ یہی سب کا دین ہے یہی اسلام ہے۔ اور آخری دین میں تو میعاد والے بھی دائمی ہوں گے۔

لہٰذا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی اب کل عالم کا دین حق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دین دین الٰہی نہیں رہا۔ نہ مقبول اور نہ نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بیشک وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (اور جو اسلام کے سوا کوئی دین طلب کرے گا ہرگز وہ اس سے مقبول نہ کیا جائے گا) اور ہر زمانہ میں اس خدائی اسلام سے

ہٹ ہٹ جانے والا نجات سے محروم رہا ہے اور رہے گا، ایک ہویا فرقہ۔

(۱۱) تمام ادیان کا میزانِ کل

ہر دین نام ہے عقائد اور اعمالِ باقیہ کا اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کا دین عقائد اور دائمی اور میعادی معلوم المدت اور نامعلوم المدت اعمال کا مجموعہ تھا۔ معلوم المدت مدت پر ختم نامعلوم المدت کے خلاف ہے اس کی مدت نہ رہنا معلوم ہوگیا۔ لہٰذا ہر زمانہ میں عقیدے وہی رہے دائمی اعمال معلوم المدت اور نامعلوم المدت بھی رہے۔ مگر نامعلوم المدت کے میعادی مخالف حکم سے ختم مدت ہونا معلوم ہوا۔ ایسے ہی ہر نبی کے زمانہ میں رہا۔ ہر ایک کے مجموعہ کو ان کی شریعت کا نام ملا۔ مگر ہر بعد کے دین میں پہلے دین کے عقیدے اور دائمی اعمال تو برابر رہے، میعادی بدلے ہوئے رہے۔ ہر دین میں آچکنے والے انبیاء کا ذکر اور آنے والے خصوصاً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں رہیں۔ پھر آخری دین دینِ محمدی میں وہ سب عقائد سب دوامی اعمال اور سب میعادی اور غیر معلوم المدت اعمال رہے جو بعد میں آخری ہونے کی وجہ سے اب معلوم المدت یعنی تاقیامت ہوگئے اسی لیے اسلام میں تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا وہی فرض۔ تمام عقائد وہی تمام دائمی اعمال وہی تمام میعادی دائمی ہوکر وہی اور چونکہ ہر عارضی کے بعد دوسرے حسبِ وعدہ اس سے خیر ہوتے ہیں تو اسلام جو اس آخری عہد کا دین بھی ہے اور شریعت بھی اوّل سے اب تک خیر خیر، تمام احکام باقیہ کا مجموعہ یعنی میزانِ کل بن گیا کہ ع

"آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"

یہ فضیلت سب سے آخری دین کو ہی حاصل ہو سکتی تھی وہ حاصل ہوگئی۔

ع علم اتنے کے چاول اتنے کے گھی اتنے کا گوشت، اتنے کا میزان سو روپیہ یہ سب کا مجموعہ میزانِ کل ہوتا ہے

کوئی دوسرا دین نہ آخری ہے نہ اس کمال کا ہو سکتا ہے۔ تمام انسانوں کا دین اسی پر آکر مکمل ہوا اور یہ عظیم نعمت اسی پر پوری ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے میں نے دین اسلام کو پسند کر لیا) تکمیل اسی طرح کہ آدمؑ سے شروع ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ہوا کہ تمام عقائد اور تمام احکام دائمی وغیرہ باقیہ کو مکمل کر دیا جیسے ہر حساب کے آخر میں سب کی میزان کل ہوتی ہے۔ وہ ہو گیا دوسرا ایسا نہیں ہو سکتا۔

(۲) تخلیقِ انسانی کا اصلی کام اور تکمیل

(انسان کا خلقی فریضہ کیا ہے آخر یہ کس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ہر ہر شخص کو یہ معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ اپنی زندگی کو اسی کے موافق بنا سکے۔ ورنہ اس کی زندگی بیکار اور ایسا دھوکہ کہ بالکل مجرمانہ اور سنگین ترین مجرمانہ بن کر رہ جائے اور پھر انسان ہمیشہ کے لیے عذاب کا گرفتار ہی نہ رہ جائے اس لئے سنیئے۔

انسان تمام مخلوقات سے افضل ہے کیونکہ غور کر کے دیکھئے کہ ہر مخلوق اس کے کسی نہ کسی کام کی ہے اور انسان اُن میں سے کسی کے کام کا نہیں۔ اگر سب مخلوقات میں سے کوئی ایک قسم پوری کی پوری دنیا سے نیست و نابود ہو جائے تو انسان کی کوئی نہ کوئی ضرورت اٹک جائے گی۔ لیکن اگر انسان سب کے سب دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں تو کسی مخلوق کی کوئی ضرورت بند نہیں ہو سکتی بلکہ بعض تو آزاد ہونے سے خوشی اور سکون و راحت محسوس کریں گے۔ اور جب تک انسان پیدا نہیں ہوا تھا آخر کسی مخلوق کی کونسی ضرورت اٹک رہی تھی سب کے سب کام مکمل ہو رہے

تھے یہ اس کی صاف دلیل ہے کہ سب مخلوق انسان کے کام کے لیے پیدا کی گئی ہے مگر انسان کسی مخلوق کی کسی قسم کے لیے نہیں پیدا کیا گیا خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (تمہارے لیے پیدا کیا جو زمین میں ہے سب) بلکہ انسان مخلوقات سے بالاتر کسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور چونکہ مخلوقات میں سے ہر ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ کے کام کے لیے ہے اور یہاں سب تو اس کے کام کے۔ اور یہ ان میں سے کسی کے کام کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ سب سے افضل ہوا اس لیے اشرف المخلوقات اس کا لقب ضروری بنا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے) اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (بلاشبہ ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ میں پیدا کیا ہے) دیکھیے دنیا کی غذاؤں میں بھی یہ لحاظ ہے۔ انسان کی غذا تو سب کا جوہر ہے اور چھلکا پتے بھوسہ اور سب کی غذا یہ بھی افضل ہونے کی دلیل ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے تو اس کا وہ فطری وخلقی کام جس کے لیے اس کا وجود بنایا گیا ہے لامحالہ سب کے کاموں سے افضل ہوگا، وہ ہے خدا کی عبادت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (اور ہم نے جن وانسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت خاص کریں) اور اس عبادت کے ذرائع واسباب کا سب سے افضل اور سب سے مستحکم ثبوت سے ثابت ہونا ضروری ہے یہ آپ کو صرف اسلام میں ملے گا۔ اس لیے اسلام ہی اس کی امتیازی شان ہوئی۔ ہر جاندار اپنے کھانے پینے ذخیرہ کرنے۔ بود وباش کی جگہ اولاد طلبی بچوں کی پرورش اپنی اپنی بساط کے موافق کرتا اور بعض تو انسانوں سے بھی بڑھ کر یہ کام کر لیتے ہیں اور قومی ہمدردی وقومی خدمت بھی ہر ایک کی حسب مقدور ہوتی ہے بلکہ بعض میں تو انسانوں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسے کام جو اور مخلوقات میں بھی کم وبیش ہیں بلکہ بعض میں بہت زیادہ

ہیں۔ یہ انسانی خصوصیات اور امتیازی شان کی بات نہیں۔ پھر یہ سب باتیں مخلوق سے ماوراء نہیں ہوتیں کہ آخر یہ سب مخلوق ہی تو ہیں یہ کام مخلوقات کے ہی تو کام ہوئے انسان کے لیے تو تمام مخلوق سے اونچا کام ہونا لازمی ہے وہ ہے خالق کائنات کی عبادت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری خاص عبادت کریں) شبہ ہوسکتا ہے کہ فرشتے تو عبادت میں انسان سے بڑھے ہوں گے کہ ان میں گناہ کا مادہ نہیں اور ہر مخلوق بھی اپنے خالق کی تسبیح کرتی ہے لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ إِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (کوئی چیز نہیں مگر وہ اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے)

جواب یہ ہے کہ عبادت کے دو درجے ہیں یعنی اختیار کے مجبوری سے ہونا یا اختیار سے ہونا پھر بلا کسی رکاوٹ کے ہونا یا باوجود رکاوٹ یا سخت ترین رکاوٹوں کے ہونا اور ظاہر ہے کہ اختیاری بہتر اور رکاوٹوں کے باوجود ہونا افضل ہے۔ چونکہ اشرف المخلوقات کے لیے اشرف العبادات ضروری ہیں اور جانوروں یا اور مخلوقات کی اور فرشتوں کی اختیاری نہیں فرشتوں کی عبادت ایسے ہے جیسے ہمارے لیے سانس لینا کہ اس پہ مجبوری ہے اور جس کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار حاصل ہے اس کا کرنا تو اپنا کرنا ہے اور جس میں مجبوری ہے۔ وہ اپنا کرنا ہی نہیں خالق تعالیٰ کا ایسا بنا دینا ہے تو اختیار والا کام ہی اس کا شمار ہوگا وہی کام اس کا افضل ہوا۔ اور فرشتوں کی عبادت میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں انسان درجات کے لیے وہ زبردست پہلوان رکاوٹ کے ہیں شیطان باہر سے بہکانے والا اور نفس اندر سے طرح طرح کی خواہشات کو بھڑکانے والا اور ظاہری بات ہے کہ رکاوٹ پر قابو پا کر اور ایسی سخت ترین رکاوٹ پر قابو پا کے جو عبادت ہوگی وہ بے رکاوٹ والی سے بدرجہا بہتر ہوگی۔ دیکھئے اگر ایک نابینا بچہ یہ کہے کہ میں کسی نامحرم کو بری نگاہ سے نہیں

دیکھتا، یا ایک بہرا کہے کہ میں غیبت نہیں سنتا، ایک اپاہج کہے کہ کسی بری جگہ نہیں جاتا۔ تو یہ ان کا کیا کمال ہوا کہ یہ ایسا کر ہی نہیں سکتے یہ ان کے اختیار سے باہر ہے کمال تو اس جوان و تندرست کا ہے کہ باوجود نفس و شیطان کے سخت تقاضوں کے ایسا نہ کرے اس لیے انسانی عبادت فرشتوں تک کی عبادت سے افضل ہے اور مخلوقات کا تو کیا کہنا اور فرشتوں میں اوّل تو اختیار ہی نہیں دوسرے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد سے شیطان کا جنت میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے آسمانوں میں داخلہ بند ہے تو یہ فرشتوں تک جا ہی نہیں سکتا اور نفس جسم عنصری سے ہوتا وہ وہاں نہیں کیونکہ عناصر اربعہ کے جو خاصے ہیں ان کے مجموعہ کا نام ہے نفس، تو وہاں دونوں میں سے ایک کی رسائی نہیں ان کے لیے کوئی رکاوٹ ہی نہیں اس لیے انسانی عبادت افضل عبادت ہے بشرطیکہ گناہوں سے ملوث نہ ہو پاتے چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا درجہ سب فرشتوں سے اعلیٰ ہے کہ ان کی یہ افضل ترین عبادت گناہوں سے محفوظ ہے، دونوں پہلوانوں کو زیر کر کے ہے اشرف العبادات ہے، جو اشرف المخلوقات کے لیے تھی۔ انہی کے نمونہ پر ہر مسلمان کو یہ کام انجام دینا ہے مگر اسی طریقہ پر جو سب سے مستحکم ثبوت سے ثابت ہو۔

ممکن ہے کسی کو یہ خیال ہو جیسے مسجد میں کی عبادت غیر مسجد سے، بیت اللہ میں کی عبادت اور سب سے افضل ہوتی ہے تو عالم بالا میں کی عبادت عالم زیریں کی عبادت سے افضل ہو سکتی ہے تو فرشتوں کی عبادت افضل ہو سکتی ہے، تو بات یہ ہے ایک فضیلت ہے نفس عبادت کی اور ایک ہے مقام کے واسطہ سے عبادت مع تصادم (ٹکراؤ) خود بخود افضل ہے تو فضیلت بلا واسطہ فضیلت بالواسطہ سے زیادہ ہے اگر عالم بالا کی افضل ہوتی تو انسان پیدا ہی کیوں کیا جاتا پھر دنیا میں کیوں بھیجا جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تصادم والی افضل عبادت عالم بالا میں ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ

تصادم والے شیطان وہاں سے نکال دیئے گئے ہیں اور نفس تو عنصری خواص کا مجموعہ تھا وہاں عنصریات نہیں ہیں۔ لہٰذا جہاں دونوں تصادم یعنی ٹکراؤ موجود ہوں گے وہیں یہ عبادت ہو سکتی ہے یہ دنیا ہی میں ہو سکتی ہے وہاں خود انسان سے بھی وہاں نہیں ہو سکتی ہے نہ ولادت سے پہلے نہ وفات کے بعد کہ وہاں یہ فضیلت نہیں اسی لیئے تو حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں پیدا فرما کر اس کام کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا یہ میراث پدری ہم سب کو بھی حاصل ہے کہ ہم بھی جنت کے باشندے ہیں عارضی قیام اور عبادت کے لیے یہاں بھیجے گئے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ کون اچھا ہے عمل کرتے ہیں) جب منظور ہو گا واپس بلالئے جائیں گے اس کام کا پورا پورا انتظام اسلام پر مکمل ہوا ہے تو ہر نبی کے زمانہ میں جتنا جتنا تھا کافی تھا۔ اب وہی معتبر ہو گا جو اب ہے تمام عقائد تمام اعمال باقیہ یعنی دائمی ناسخ سب کا میزان کل اور مجموعہ ہے اب ساقط المیعاد احکام جرم بن چکے ہیں۔ جب انسان ایسی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے جو فرشتوں سے نہیں ہو سکتی یعنی نفس و شیطان کے ٹکراؤ سے فتحیاب ہو ہو کر عبادتِ الٰہی انجام دینا تو انسان کے لئے عبادت کا مقام وہی مقرر ہونا ضروری تھا جہاں ان دونوں پہلوانوں کا بسیرا ہے یعنی دنیا اسی لیے دنیا میں بھیجا گیا۔

اور ایک فطری قاعدہ ہے جو سب کا معمول ہے کہ جب کسی کو کسی کام کے لیے بھیجا جاتا ہے تو اس کے سب انتظامات بھیجنے والے کو کرنا ہوتے ہیں ہم روز روز اپنے معاملات میں بھی اس کا تجربہ رکھتے ہیں اور ایسے ہی عمل کرتے ہیں۔ تو جب یہ کام دنیا میں ہی آکر ہو سکتا تھا اور ہم کو یہیں بھیج دیا گیا تو ہمارے وجود سے پہلے ہی سب سامان بھی مہیا فرما دیئے گئے اور جتنا اہم مقصد ہوتا ہے اتنے ہی اہم ساز و سامان کیے جاتے ہیں وہ کر

دیئے گئے۔

انسان نام اصل میں روح کا ہے جسم تو اس کا ایک غلاف یا کھال ہے، تو اوّل تو اس کو یہ غلاف ہی ایسا عطا فرمایا گیا جو اس تصادم کے کام کے انجام دینے کے لئے ضروری ہے یعنی جسم وہ نفس والا عطا ہوا جس میں غلاف کے جذبات بھرپور ہیں اور چونکہ عنصری جسم کا ایک جز پانی بھی ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ ہر رنگ کو قبول کر کے اُس رنگ کا رنگین ہو جاتا ہے تو اس میں شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے کا یہی مادہ ہوا۔ اسی سے تو تصادم مکمل ہوتا ہے۔ پھر عبادت کے کام کرنے اور گناہوں سے بچنے کے لیے آلات عطا فرمائے یعنی ہاتھ پیر، آنکھ، ناک، چہرہ، پیشانی، دل و دماغ۔ ذہن، حافظہ، عقل و ہوش تمام اعضا و قویٰ پھر ان سب کے لیے تمام عالم اور تمام ضروریات کو پیدا فرمایا اور فرما دیا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (تمہارے ہی فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے، سب کا سب) اس لیے سمجھ لینا چاہیے کہ ہم خود کسی عضو قوت یا جز کے حقیقی مالک نہیں ہیں یہ سب ہم کو صرف اس اہم کام کے انجام دینے کے لیے بطور امانت مع حق استعمال عطا کئے گئے ہیں اور جب چاہیں جس کو چاہیں واپس لے لیں گے۔ اب اگر ہر انسان کو اپنا وجودی فرض یعنی عبادت خاصہ ادا کرنا ہے اور ناراضی و عذابات سے بچنا ہے تو ان تمام امانتوں کو صرف اسی کام میں استعمال کرنا ہے جس کے لیے دی گئی ہیں ان کے ذرائع و اسباب ہیں۔ اس کے علاوہ میں استعمال کرنے والا امانت میں خیانت و غداری کر رہا ہے۔ اس لیے ہر انسان کو اپنا فریضہ و کام صحیح صحیح طریق سے معلوم کرنا ضروری ہے۔ خوب غور کریں گے تو معلوم کر لیں گے کہ اسلام کے سوا کسی اور شکل میں یہ نہیں ہے۔ اس لیے سب کو کم از کم یہ دُعا کرتے رہنا چاہیے کہ اے دُنیا جہان کے پیدا کرنے والے ہمیں اپنی مرضی کے صحیح راستے پر لگا دے اور غلط راستوں اور شیطانی وسوسوں سے بچا دے۔ اللّٰھم آمین

(۱۳) تدارکِ قصور

انسان اور جن کی زندگی کا اصلی کام وہ ہے جو فرشتوں تک سے بلکہ کسی اور مخلوق سے ایسا نہیں ہو سکتا جس کی وجہ تصادم اور ٹکراؤ والوں سے عمر بھر کی جنگ ہے مگر "جنگ دوسر دارد" بعض جگہ شکست اور نقصانات بھی ہوں گے، تو ان کی تلافی کی ضرورت ہے اور یہ تلافی بھی عبادت ہی کی ایک قسم ہے جیسے گناہ سے بچنا بھی ایک عبادت ہے۔ تو اب عبادات تین ہو گئیں۔ ہر وقت کی عبادت۔ ہر ہر گناہ سے بچنا۔ اور اگر گناہ میں ملوث ہوں گے تو فوراً توبہ و استغفار اور تلافی مافات اور عبادت و گناہ صرف خدا تعالیٰ سے معلوم ہو سکتے جس کو وحی کہا جاتا ہے اسی سے انسان انسان بن سکتا ہے۔ جہاں وحی الٰہی محفوظ ہے وہیں یہ سب طریقے محفوظ ہیں۔ توبہ و استغفار سے معافی ہو کر انسانی فرشتوں کا بلکہ اور بالا درجہ حاصل کر سکتا ہے ہر شخص چند روزہ زندگی کے بعد کی ہمیشہ کی زندگی میں ہر طرح کا راحت و آرام اور عذاب و تکلیفات سے نجات کا خواہشمند ہے فرشتوں سے بڑھ کر عبادت کے حاصل ہونے میں اگر کوئی نقص رہتا ہے تو اس کی توبہ و تلافی میں مصروف ہوتا ہے یہی دو جہان کی کامیابی ہے۔ حدیث ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له (گناہ سے توبہ کر لینے والا ایسا ہے جیسا وہ جس کا کوئی گناہ نہ ہو) دنیا بھر میں کوئی کاروبار ایسا نہیں کہ نقصان شدید کی فوراً تلافی ہو سکے یہ صرف اسلام میں توبہ کی صورت ہے۔

(۱۴) جانوروں سے امتیاز کامل

انسان فرشتوں کے درمیان کی کہ جن کے خمیر کو ہی نافرمانی سے پاک کیا ہوا ہے اور جانوروں کے درمیان کی کہ جن میں سب خواہشات بے قید و بند ہیں ایک معتدل مخلوق ہے عبادات خصوصی کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کے نمبروں میں آ چکا ہے ہر انسان کو فرشتوں کی سی

عمدہ صفات سے موصوف ہونا اور حیوانات کی تمام بد حرکات سے پاک ہونا لازم ہے مگر
پھر اس کی کوشش میں لگا رہنا اس کا فرض ہے۔ اگر تمام خواہشات جنسی ونفسانی عیاشی وفحاشی
سے بچنا ہے تو صرف ایسا مذہب قبول کرنا ہوگا جس میں ان تمام باتوں پر سختی سے سخت
قدغن ہو۔ اسلام لہو ولعب، گانا بجانا، بدنگاہی، بدافعالی اور ان کے دور سے دور کے اسباب
پر بھی سخت گرفت رکھتا ہے۔ اسی کے ذریعہ حیوان سے بالا ہو کر انسان بن سکتا ہے ورنہ
صورت انسان کی اور حال جانوروں کا ہوگا جس کی ہزاروں لاکھوں نظیریں سامنے موجود ہیں
جس قدر اعتدالی زندگی اسلام میں ملتی ہے دوسری جگہ نہ ملے گی۔

(۱۵) ہر وقت بلا حرج کے دلچسپ ذکر الٰہی

انسان نام ہے جسم اور رُوح کا۔ جسم تو عناصر اربعہ مٹی پانی ہوا آگ سے بنا ہوا ہے
تو اُس کی غذا اور اس کی قوت وطاقت اسی کے ہم جنس یعنی عناصر کی پیداوار سے ہو سکتی ہے
اور سب کے مشاہدہ میں ہے بلکہ عالم کے عالم کی کوششوں کا دارومدار اسی پر ہے تمام دنیا کا شور و
غوغا اسی کے لیے ہے لیکن غور سے دیکھیں تو دوسرا جز یعنی روح ہی اصل انسان ہے اور جسم تو
جس کی غذا و قوت میں ہم لوگ ایسے اندھے ہو کر لگے ہوئے ہیں اس کا ایک غلاف ہے حقیقی
انسان نہیں چنانچہ جب تک جسم کے اندر روح ہے تو انسان انسان ہے روح نہ رہے
ایک لاش ہے پھر جن کے یہاں انسانیت کا احترام نہیں وہ لوگ کل تک جس کی رضا و خدمت
کو فلاح و بہبود سمجھتے تھے آج اسی کو توڑ پھوڑ جلا پھونک کر راکھ کر ڈالتے ہیں اور جو احترام کرتے
ہیں وہ خاکی کو خاک کی آغوش کے سپرد کر دیتے ہیں۔ غرض روح نکلنے کے بعد اس کو کار آمد
نہیں قرار دیتے۔ لہٰذا اصل انسان روح ہے اسی کی غذا اور قوت وطاقت کے اسباب
ضروری ہیں تاکہ وہ نفس وشیطان پر قابو پاکر عبادت عالیہ اور فرشتوں کی سی پاکیزگی حاصل
کر سکے، اور حیوانی حرکات سے بری ہو سکے۔ رُوح ایک نورانی شے ہے اس کی غذا اور طاقت

وقوت سب نورانی اشیا سے ہوئی لازم ہے۔ اس لیے ہر وقت منبع نور سے اس کا سلسلہ قائم رہنا ضروری ہے۔ بجلی اس وقت تک بجلی ہے جب اس کا رشتہ مسلسل بجلی کے مرکز سے ہے ورنہ بیکار ہے کنکشن بغیر کچھ بھی نہیں۔ ادھر انسان کا فطری فریضہ اور تمام تفضیلات وانعام کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ہر ہر وقت ذکر الٰہی میں اور نفس وشیطان کو کچل ڈالنے میں بالکل منہمک رہے۔ مگر ہر وقت کے ذکر و عبادت میں انسانی طبیعت کو دو خلجان پیش آتے ہیں ایک تو یہ کہ تمام دنیوی و جسمانی کام ملیٹ ہو جائیں گے کوئی بھی کام نہ ہو سکے گا جس کا اثر روحی کام پر بھی پڑ کر رہے گا۔ دوسرے یہ کہ انسانی طبیعت کسی ایک چیز پر مسلسل دوام رکھنے سے گھبرا اٹھتی ہے کام میں اس سے خلل پڑتا ہے۔ لیکن اسلام میں وقفہ وقفہ سے ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنے کا ایسا بے مثال طریقہ ہے کہ کہیں اس کی نظیر نہیں ملے گی کہ اپنے سب کاروبار اور وقتی کام کرتے رہیں ان کے شروع وختم پر ان کے مناسب اور ہر ہر وقت کے ہر ہر کام کے لئے اس وقت کے مناسب ایسے دلچسپ ذکر اذکار ہیں کہ ہر وقت یاد خدا بھی ہوتی رہے ذکر الٰہی اور منبع نور سے وابستگی بھی رہے نئے نئے ذکر واذکار اور اس کام کی اور وقت کی دلچسپی کے ہونے کی وجہ سے طبیعت کے گھبرانے اکتانے کا سوال ہی نہیں ہوتا مناجات مقبول کے تمہ میں یہ سب ہیں۔ اور اگر تمام کام دنیا کے انجام دیتے جا سکیں۔ بس اول وآخر کا بھی ذکر ہو کافی ہوگا۔ اس سے دل میں ہر وقت کی لگن ہو گی جو دل بیار دست بکار کا نمونہ ہے۔ اس طرح دنیا بھر کے تمام کاموں کی انجام دہی برابر ہوتی رہے گی اور کسی وقت بھی غفلت نہ ہو پائے گی اور ہو بھی گئی تو اس کی تلافی کی صورت بھی ہے توبہ ذر جوع ہے۔

(۱۶) نمازوں کی پابندی

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ جس عضو یا جس قوت سے کام لیا

جاتا رہے گا وہ چاق و چوبند، چست و چالاک اور ہر کام میں ہشیار ذمہ دار محنت سے انجام دینے والا ہو گا اور جس سے کام نہ لیا جائے وہ بیکار سا ہو کر رہ جاتا ہے پہلے زمانہ کے احدیوں کے قصے تو سنے ہوں گے وہ اسی طرح تو بالکل بیکار بن جاتے تھے۔ دُور کیوں جائیے اپنے ہاتھوں کو دیکھ لیجئے داہنے سے خوب خوب کام کرتے ہیں تو چاق و چوبند ہے لکھنے میں بھی مشاق بائیں ہاتھ سے کوئی کام نہیں ہوتا اور اپنا نام تک نہیں لکھا جا سکتا۔ ایسے ہی جب آدمی خوب خوب کاموں میں لگا رہتا ہے تو ہر کام خوب انجام دیتا رہتا ہے اور جب یہ پابندی نہ رکھے گا تو سست درست ہو جاتا ہے ملازمتوں سے سبکدوش ہونے والوں کو اس کا خوب تجربہ ہے اور اس کا عکس فوج میں ملتا ہے کہ آخر عمر تک بھی انسان بیکار نہیں ہو پاتا غرض آدمی جتنا زیادہ کام میں لگے گا چست و چالاک ہو گا۔

اسلام میں روزمرہ کی پابندیاں ہیں۔ طلوع آفتاب سے دو گھنٹہ پہلے سے شب کی غفلت کے اثرات کم کرنے کے لیے فضیلت کے کام تہجد اور ذکر و تلاوت اور آدھ گھنٹہ پہلے فرض نماز سورج نکلنے اور اونچا ہونے پر بھی فضیلت کی نماز اس کے بعد نصف دن تک دنیا کے کاروبار پھر اُن کی غفلت کی تلافی کے لیے ظہر کی فرض نماز پھر کاروبار کی ہماہمی میں غروب سے ۲/۱ گھنٹہ پہلے اُس کی مکافات کے لیے نماز عصر پھر کاروبار، پھر غروب پر مغرب کہ ان کے اثرات کم ہو جائیں۔ اس کے بعد بھی اپنا کاروبار اور سونے سے پہلے عشا ہے اور سب کے ساتھ فضیلت کے اختیاری کچھ کام ہیں۔ ایسے منظم روزمرہ کے کام سے کس قدر کام کا آدمی بن سکتا ہے دنیا کا بھی دین کا بھی اور جس قدر عیش و آرام کا انسان عادی ہو گا۔ اسی قدر سست اور اپاہج بن سکے گا۔ یہ کام اسلام میں ہی ملتا ہے اور ہر نماز روح کی ورزش ہے کہ پوری نمازیں وسوسوں کو دور کر کے خدا تعالیٰ کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہونے اور ہر آن زیر نظر رہنے کی ورزش پھر دن رات کے بیس فرض و واجب بارہ سنت موکدہ تینتیس ۳۲ رکعات کی روحی ورزش انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے اور ورزش بھی تمام اعضاء و قویٰ کی۔

⑰ بےمثال تشریحات اور لاتعداد جزئیات

ہر دین میں وحی الٰہی کی کچھ نہ کچھ تشریحات اور تشریحات کی تشریحات اور شکوک و شبہات کے جوابات کتابی شکل میں موجود ہونی ایک لازمی شئے ہے۔ دین کی وسعت اور حقانیت اُس کی تمام تر تفصیلات و توضیحات اور ہر ایک جزئی کی پوری پوری تشریحات اور زیادہ سے زیادہ جزئیات کا بیان ہی اس کی عالمگیر شان اور سب سے زیادہ محیط ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ہر مسئلہ کلی و جزئی طور سے منظرِ عام پر لایا ہوا ہوتا ہے اور کسی فرد کی بھی کوئی ضرورت صریحی یا ضمنی حکم الٰہی سے خالی نہیں رہ پاتی۔ باقی ادیان کی جہاں باتیں ہی کل چند ہوں وہاں تشریحات زیادہ کہاں ہو سکتی ہیں بلکہ یہ تفصیلات و تشریحات کی کثرت اس کی بھی دلیل ہے کہ سب اہل دین کی توجہات اسی کی طرف مبذول ہیں۔ یہ طاق میں رکھ دینے کی چیز نہیں ہے۔ جیسے اور دینوں میں یہ نظر آتا ہے۔ اس پر اگر آپ خوب تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مذہبی کتابیں جو اصول و فروع کی تشریحات و تفصیلات ہیں جس قدر اسلام میں موجود ہیں دنیا کے کسی مذہب میں موجود نہیں کروڑوں کے حساب سے دنیا میں دستیاب ہیں تیس تیس جلدیں بہت کتابوں کی ہیں اور ہر جلد کے سینکڑوں صفحات چودہ سو برس سے ہیں اور ہر برس اُن میں اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔ ابھی حال ہی کے زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی گزرے ہیں جن کی تصنیفات اردو، عربی، فارسی اور نظم و نثر ایک ہزار کے قریب ہیں اور تقریباً سب دستیاب اور لوگوں کے مطالعہ و عمل میں ہیں پوری دنیا میں آپ تحقیق کا چراغ لے کر ڈھونڈیں گے تو کسی دین کی اس قدر تفصیلات نہ پا سکیں گے۔

شاید آپ کے علم میں ہو کہ خود ان اسلامی دینی کتابوں کو اور ان کی تفصیلات کی کتابوں کو عیسائیوں یہودیوں ہندوؤں غرض بہت غیر مسلموں نے بھی ان کے ذوق و شوق کے احساس

کے بعد دولت کمانے کا بڑا ذریعہ بنایا ہے ہندوستان میں نول کشور نامی ایک ہندو مسلمانوں کے اسی جذبہ سے کتابیں چھاپ کر فروخت کر کے زبردست سیٹھ بن چکا تھا اور بھی بہت لوگوں نے خصوصاً لاہور کے کشمیری بازار کے ہندوؤں اور سکھوں نے اس کاروبار سے بہت مالی فائدہ اٹھایا۔ بہت سے یورپ والے بھی بڑے بڑے تونگر انہی سے بن گئے ہیں اس قدر وسیع معلومات آپ کو ساری دنیا میں کہیں بھی کسی دین میں دستیاب نہیں ہو سکتی ہیں جتنا عمدہ دین ہوگا اسی قدر عمدہ اور کثرت سے اس کے فوائد ہوں گے۔

(۱۸) دینی کتابوں کے خزانے

ہر دین کا باقی رہنا اس کے مضامین و تعلیمات اور کتابوں کے باقی رہنے سے ہوتا ہے اور جس قدر ذخیرہ اس کی کتابوں کا محفوظ ہوگا اس قدر اس کا ہر ہر نقطہ اور ہر ہر بیان مستحکم ثبوت سے محفوظ ملے گا چونکہ اسلام میں پروپیگنڈہ نہیں تشہیر و نام نمود وہاں پسندیدہ نہیں اس لیے کتابوں کی اصل تعداد بھی مشکل سے ہی حاصل ہو سکتی ہے پھر بھی ایک کم مایہ قوم کے پاس ہزاروں لاکھوں اداروں میں ان کی دینی کتابیں محفوظ ہیں اور بہت مقامات پر تو ہر ہر مسجد میں بھی بہت کتابوں کی لائبریریاں بنا کر اس کا انتظام کیا ہوا ہے۔ باوجود اس کے کہ دشمنوں نے ہمیشہ اس کے دینی کتب خانے نذر آتش کر دیئے ہیں اب بھی لاکھوں اداروں میں یہ بڑے بڑے ذخیرے محفوظ موجود ہیں اور تقریباً ہر بڑے ادارہ میں کروڑوں کی مالیت کی کتابیں مفت مطالعہ کے لیے وقف عام ہو کر موجود ہیں۔ پھر ہر ہر عالم کے پاس اس کی اپنی ضروریات کی کتابیں کہ کسی کو کسی علم و فن کا شوق ہے کسی کو کسی کا یہ الگ۔ غیر مسلموں میں دولت کے ذخیرے تو بڑے بڑے تک سُننے ہوں گے مگر دین کے ذخیرے نہ ایسے ملیں گے نہ اتنے۔

پھر مذہبی تجارتی کتب خانے ہر آبادی میں کئی کئی ملیں گے اور بہت سے پریس ایسے ہیں جو صرف مذہبی کتابیں ہی طبع کرتے ہیں دستیاب ہوں گے تجارتی کتب خانے اصل عربی

پھر فارسی پھر اُردو کی کتابوں کے بڑے ذخیرے رکھتے ہیں۔ آخر اس قدر ذخائر و خرید و فروخت طباعت اشاعت بغیر کسی جذبہ کے کیسے ہو سکتی اور چرچا گھر گھر بغیر قبول خاطر کے کیسے ممکن ہے جب آپ دیکھیں گے کہ ساری دنیا میں کسی مذہب کی تعلیمات کا ذخیرہ سوائے معدودے چند کتب و رسائل کے کچھ نہیں اور وہ بھی رفاہ عام کے اداروں میں بہت بہت اور ہر مقام پر دستیاب نہیں نہ ان کی تجارت کے لیے کوئی خاص بازار ہے نہ صرف اس کی دوکان یہ خصوصیت اسلام ہی کے لیے ہے تو اب اسلام کا اعزاز اور اس کا محیط ہونا عالمگیر ہونا اور سارے عالم کی ہدایت کا ضامن ہونا ذہن نشین ہو سکتا ہے اور ادیان میں چند لوگوں سے سُنی سنائی باتیں ہیں اور وحی الٰہی نہیں آنکھوں سے دیکھی نہیں ان کی تشریحات نبویہ کہیں نہیں دیکھیں نہ یقینی ثبوت کے ذخیرے ہیں "تو شنیدہ کے بود مانند دیدہ"۔

(۱۹) خالص دین کی درس گاہیں

غالباً یہ تو سب کو ہی معلوم ہو گا بلکہ اوپر کے نمبروں میں بھی غور کر لیا ہو گا کہ سارے عالم کے واسطے ایک معبود نے ایک ہی دین بھیجا ہے جو مجموعہ ہے عقائد حقہ اور اعمال دائمہ اور عارضیہ ناسخہ کا اور ہر فرد کو اسی دین کا پیرو کار ہونا لازم ہے ورنہ نجات نہیں پا سکتا تو صرف اسی کے تعلیم و تعلم کا ایسا ذریعہ بھی ہر جگہ ہونا ضروری ہے جس میں صرف یہی سکھایا پڑھایا جائے دنیوی ضرورتوں کی تعلیم بالکل نہ ہو تا کہ خالص دینی عالم بن سکیں وہ صرف اسلام میں ہی ہزاروں کی تعداد میں ساری دنیا میں پھیلے ہوئے موجود ہیں جن سے ہر سال ہزاروں ماہران علم دین حاصل ہوتے ہیں۔ کیا کل عالم میں کسی اور دین کے ایسے علما بنانے کی کوئی مشین ہے جو بلا دنیوی مقاصد کے صرف دین والے بناتی ہو۔ یہاں سب جانتے ہیں کہ نہ یہ دینی مدرسے کسی حکومت سے ذرہ برابر امداد لیتے ہیں نہ ان کو حکومت میں کوئی عہدہ یا ملازمت مل سکتی ہے نہ یہ اس مالی لالچ میں عمریں لگاتے ہیں نہایت سادہ زندگی سادہ ترین وسائل اور دن رات اپنے کام میں منہمک نہ کوئی اور آمدنی نہ سلسلہ کیا

ایسے ادارے اور بھی کسی مذہب میں اور اس کثرت سے کہ شاید کوئی بھی آبادی اس سے خالی نہ ہوگی مل سکتے ہیں یہ اسلام کے عالمگیر اور ہر ہر شخص کا دین ہونے کی دلیل ہے۔

(۲۰) باطن کی خانقاہیں

دین نام ہے علم احکام الٰہی کا اور ان پر عمل کرنے کا، پھر عمل ظاہری اعضا سے بھی ہوتا ہے اور باطنی سے بھی۔ دل میں جو بدیوں کے جذبات ہوتے ہیں ان کو کچلنا اور جو نیکیوں کے جذبات ہوں ان کو ترقی دینا۔ نجات کے دنیوی و اخروی اعمال میں عمدہ جذبہ پیدا کرنا۔ دل میں خالق تعالیٰ کی ایک لگن لگا دینا۔ دل و دماغ میں نور اور رُوح کو جو نوری مخلوق ہے جلا دے کر ممتاز بنا دینا یہ کام بھی ہر دین کے لیے ایک باطنی فرض ہے۔ اس کے لیے جگہ جگہ خانقاہیں ہونا اور مخلوق کے خالق سے ملا دینے کا کام ہونا تمام غلط جذبات کو ختم کرنا نیک جذبات پیدا کرنا اسلام میں ہر آبادی میں یہ ایک دو ضرور ملے گا اور اس کی زیادہ سے زیادہ کوشش ہوتی ہے اسی کو خانقاہ کہتے ہیں۔ اسی سے دین دلوں کی جڑوں میں پہنچتا ہے جس سے پختگی و دوام میسر ہوتا اور پھر ہر خدشہ و شک و شبہ کافور ہو جاتا ہے۔ تمام عالم میں اسلام کے سوا یہ کہیں نہیں مل سکتا بلکہ ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ قرب الٰہی کے مقامات ہیں باغیوں کو عطا نہیں ہوتے اور جو مسلمان نہیں ہے وہ خالق تعالیٰ کے مقابل دوسرا خالق یا اس کی صفتوں میں شریک کسی کو قرار دے کر بغاوت کا علم بلند کر چکا ہے اس کو قرب کیا واسطہ گو نقالی میں گرجے، دھرم سالے ہیں وہ بھی کم کم اور بیکار۔

(۲۱) دینی تالیفات و مضامین

اسلام چودہ سو سالہ دین ہے اور ہر زمانہ میں اس میں علم و عمل کے بڑے بڑے ستون ہوتے اور وحی الٰہی کی تشریحات و توضیحات اور تفصیلات اور زمانہ کی غفلت کے اسباب

غیر شرعی رواجات، درسوم کی اصلاحات عقل پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی کی ہدایات، گمراہ اور مشرکین و کفار کے غلط بیانات اور شبہات کے جوابات میں ہمیشہ بہت بہت تالیفات ہوتی ہیں اور ہو رہی ہیں اور اس قدر ہر سال ہو رہی ہیں کہ دوسرے کسی مذہب میں اس کی نظیر نہ ملے گی۔

ثقافت اسلامی کا بھی ایک مضمون ہر زمانہ میں رہا ہے گو نام یہ نہ ہو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو جو کجی و گمراہی غیر مسلموں نے یا ان کی صحبت نے مسلمانوں میں پیدا کر دی ہے اس کو درست کیا جائے۔ ثقافت اصل میں نیزہ کے ٹیڑھے بانس کو سیدھا کرنا ہے اور وہ آلہ جس سے یہ سیدھا کیا جاتا ہے۔ مثقاف کہلاتا ہے۔ تو یہ غیر مسلم اثرات کی کجی کو دور کرنے کا نام تھا مگر کالجی نادان دوستوں نے اور لفظوں کی طرح اس میں بھی تحریف کر لی اور اب اسلام میں کاٹ تراشش کر کے اُسے یورپی تعلیمات و اثرات پر ڈھالنے کا نام ثقافت اسلامی کر لیا ہے۔

ع "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

غرض یورپی اثرات سے متاثر ہونے والوں کے یہاں جو اسلام کی کتربیونت ہو رہی ہے اور ایسی کہ جو کافر بھی نہیں کر سکے تھے۔ اس غلط کام سے نظر ہٹا کر صحیح کام کو دیکھیں تو دینی تالیفات کا مجموعہ ہر سال دوسرے تمام ادیان سے کہیں زائد ثابت ہوگا اور کل عالم کا حساب لگایا جائے۔ تو سب سے بہت زیادہ کام اسلام میں ہی ملے گا۔

(۲۲) بالکل بے فکری کی زندگی

ساری دنیا پریشان ہے کہ کبھی تکلیف کبھی نقصان کبھی مخالفت کبھی دشمنوں کا حملہ وغیرہ وغیرہ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جس کو بے فکری حاصل ہو ہر شخص کی دلی تمنا ہے کہ اُسے اطمینان کا سانس نصیب ہو اور بے فکری سے زندگی گزار سکے بلکہ عجب نہیں کہ اس کی تمام دولت و عزت ختم ہو کر بھی یہ دولت یعنی بے فکری کی زندگی حاصل ہو سکے تو کوئی

اس سودے کو مہنگا نہ سمجھے۔ قابل رشک ان کی زندگی ہے جن کو فکر کم ہے یا کوئی ایسا ہو کہ اسے ہوش وحواس درست ہونے کے بعد بھی کوئی فکر بالکل نہ ہو مگر شاید آپ کو خبر نہیں کہ یہ کیمیاوی نسخہ صرف سچے مسلمان کے پاس ہے اور اسلام ہی میں یہ بات حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ آپ تو صرف دنیا میں بے فکری کی بات کرتے ہیں اسلام تو وہ چیز ہے کہ جس سے صرف دنیا ہی نہیں آخرت کی بھی، اور چند روز نہیں ابدالآباد کی بے فکری کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جس پر ہر دولت ہر عزت ہر جان تک کو فدا کر دینا ہر شخص ضروری سمجھتا ہے وہ زندگی صرف اسلام ہی کی زندگی ہے لوگ ٹھنڈے دل سے اور کسی اہل دل سے رجوع کر کے اس کو حاصل نہیں کرتے یہ کیمیا مفت اور اسی گھر میں موجود ہے۔

اسلام اپنے کو سونپ دینا خدا تعالٰی کو تسلیم کر دینا ہے اور ان کو اپنے بندوں سے خالق کو مخلوق سے اس سے زیادہ محبت ہے جتنی ماں کو بچہ سے ہوتی ہے حالانکہ ماں پیدا کرنے والی نہیں صرف چند دن امانت رکھ لینے والی ہے اور وہ پیدا کرنے والے ہیں اور حکیم ہیں کہ ہر کام حکمتوں اور مصلحتوں کے ساتھ کرتے ہیں جو ہو گا اس میں مصلحت ہی ہو گی۔ ہماری بھی اور ساری مخلوقات کی بھی اور پھر حاکم بھی ہیں کسی محکوم کو حق نہیں کہ وہ حاکم کی تجویز کے خلاف کچھ کہہ سکے یا گمان کر سکے حاکم کی مصلحت کو محکوم از خود نہیں جان سکتا اس لیے جو ہوتا ہے وہ ہماری اور سب کی انفرادی واجتماعی مصلحت وخیر خواہی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ گو ہمیں علم نہ ہو جیسے ماں بچے کے فائدہ کے واسطے ہی سب کام کرتی بلکہ دوا پر ڈانٹ ڈپٹ اور پٹائی بھی کر دیتی ہے گو بچہ کو معلوم نہیں مگر یہ سب اس کی خیر خواہی ہی تو ہوتی ہے اور نظر بھی آ جاتا ہے کہ اس تکلیف یا نقصان میں یہ بڑی مصلحت ہمارے ہی فائدہ کی تھی۔ اسلام میں یہ سب دل نشین ہوتا ہے جب خود کو سونپ دیا تو اب سوچ بچار کیا کیوں اور کیسی اس لیے سچے پکے مسلمان کو کوئی حالت عقلاً ناگوار نہیں ہو سکتی اور جو وقتی تکلیف بھی ہو گی اس پر مصلحت کے یقین سے قطعاً پریشانی نہیں ہوتی جیسے اپریشن میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ تکلیف

ہوتی ہے مگر پریشانی نہیں بلکہ بے فکری ہوتی ہے یہ تو دنیا میں ہے اور آخرت میں تو اس کے ایمان کی وجہ سے جنت ہی جنت ہے اگر کوئی گناہ نہیں کیا یا کیا تھا مگر دل سے توبہ کر لی تھی تو سیدھا جنت کے راحت و آرام میں ہمیشہ ہمیشہ کو پہنچ گیا اگر ملا توبہ گیا تو کچھ سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ اور وحی الٰہی کے حکم بتانے سے جائے گا۔ پھر جنت میں جانا یقینی ہوگا تو اس وقت کی سزا بھی معمولی سی سزا معلوم ہوگی کہ اس کا عارضی ہونا اور ہزار ہا نعمتوں کا دروازہ کھلنا تکلیف کو ہلکا کر دے گا۔ اور کبھی معافی میں یہ بھی نہ ہوگا اگرچہ ایک شاعر نے کہہ دیا ہے کہ ؎

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

مگر میرا جواب یہ ہے ؎

جس کی خدا پہ ہو نظر فکر اسے ستائے کیوں
مومن دیندار کو رنج والم سے واسطہ ؟

دنیا و آخرت دونوں جہان میں بے فکری کی زندگی جس پر ہر ہستی اپنا سب کچھ تج دینے کو ہر جان تیار ہو جاتی ہے وہ صرف سچے پکے مسلمان کو ہی حاصل ہے بس یہی ہے دونوں جہان کا بادشاہ " بلکہ بادشاہوں سے بھی کہیں افضل ترین کہ ان کو تو سینکڑوں افکار ذاتی، قومی، ملکی، سیاسی لگے ہوتے ہیں۔ یہ بالکل بے فکر دو جہان کا بادشاہ ہے۔ یہ بات صرف مسلمان کامل کو ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ صحیح و ثابت دین سے باہر جانے والا خالق تعالیٰ کا باغی بن رہا ہے اس کو یہ بات میسر نہیں آسکتی۔

(۲۳) ہر آن کی لگن

آپ نے دیکھا ہوگا کہ تقریبات میں، شادی و جلسہ وغیرہ میں اصل بانی، منتظم کے دل میں ایک ایسی لگن ہوتی ہے کہ اُسے سوائے اس کام کے اور کوئی بات اصل نہیں لگتی گو انجام سب کام دیتا ہے مگر دل میں صرف اسی کی لگن لگی رہتی ہے نہ اُس کو اچھا کھانے

کھانے کی فکر نہ اچھے لباس کی فکر نہ ذاتی کسی ساز و سامان کی فکر بس فکر ہے تو صرف اس تقریب کی ہے یہاں ایسے ہی ہے جب خود کو سونپ دیا جائے تو اب صرف انہی کی رضا کی فکر ہے اور کسی چیز کی نہ فکر نہ اہتمام نہ بیحد کوشش ۔ صرف لبقدر ضرورت معمولی کوشش ہو گی ۔ بات ہو گئی ہو گئی اگر نہ ہوئی نہ ہوئی ۔ یہ ہر وقت کی لگن صرف اسی اسلام اور سونپ دینے میں حاصل ہے جو تمام بدیوں گناہوں عیاشیوں عیش پرستیوں سے نجات دیتی ہے اور ہر سچے پکے مسلمان کو یہ حاصل ہے ۔ دین کا پورا مقصد یہیں حاصل ہوتا ہے ۔

(۲۴) دوبارہ زندگی

زندگی نام ہے روح کا جسم کے اندر کامل طور سے سمایا ہوا ہونا اور موت ہے ایسا نہ رہنا جب دنیا میں ایک ہی کام کے لیے بھیجا گیا تھا تو اب واپسی پر اس کام کی انجام دہی پر جواب طلبی ضروری ہے ۔ چونکہ کام کے لیے روح کو جسم کے ساتھ پیوست کیا گیا تھا سب کام کی ذمہ داری اس پر رکھی گئی تھی تو جواب طلبی بھی ایسی ہی صورت میں ہو سکتی ہے کہ پھر دونوں کا جوڑ لگا دیا جائے ۔ ورنہ ہر ایک یہ کہہ کر بری ہو سکتا ہے کہ تنہا میں ذمہ دار نہ تھا کہ جوابدہ ہوں اسی جوڑ کا نام دوسری زندگی ہے ۔ یہ نہایت ضروری ہے ورنہ کام کی ذمہ داری دے کر بھیجنا ہی بیکار رہ گیا ۔ وہ ادیان صحیح نہیں ہو سکتے جو دوسری زندگی کے اقراری نہ ہوں اور پھر اس زندگی میں جوابدہی بھی جب ہو سکتی ہے کہ جو کچھ اس زندگی میں کیا گیا ہے خیر ہو یا شر، وہ سب وہاں آنکھوں کے سامنے ہو تا کہ چالبازوں کو انکار کا موقع نہ ہی نہ مل سکے اسلام ہی کا یہ قانون ہے کہ جو ذرہ برابر بھی خیر یا شر کیا گیا ہو گا دیکھ لے گا ۔ اور قیامت سے پہلے ثواب و عذاب کی تمہیدوں میں روح و جسم کا تعلق الگ الگ رہ کر بھی شدید ہو گا جس سے یہ سب کام ہو سکیں گے اور بعد میں تو مکمل ہو گا ہر غلطی کی سزا ہر کام کی جزا ملنے کی

وہی جگہ اور وہی شکل ہے۔ پھر بھی اگر کوئی چالباز اقرار نہ کرے گا تو اسلام کا اعلان ہے کہ اس کی کھال اس کے اعضا جن جن سے برے کام کئے تھے گواہی دیں گے اور جس ذات نے اوروں کو گویائی بخشی ہے وہاں ان کو بھی گویائی عطا کرے گی اس لیے یہ سب جوابدہی مقدمہ ثبوت گواہ سب دوسری زندگی میں ہونے ضروری ہیں۔ تب انصاف ہوگا۔ ایسی تفصیلی جزا و سزا دوسری زندگی کی اسلام ہی میں ہے جو اس انصاف کے لیے لازمی ہے

۴۵ مرنے پر جسم خاک میں روح دوسرے عالم میں ہوگی گو ایک تعلق بھی رہیگا

دنیا کا انسان نام ہی روح و جسم کا ہے اور اصل روح ہے چونکہ یہ عبادت جس کے لیے انسان بنا ہے یعنی نفس و شیطان کو مغلوب کر کے عبادت کرے اور گناہوں سے بچنے کا ہر کام وہیں ہو سکتا ہے جہاں نفس و شیطان دونوں موجود تھے اور یہاں کے لیے وہ جسم ضروری تھا جو یہاں کے موجودات سے بنایا جائے اس لیے عناصر اربعہ سے جسم تیار ہوا پھر ان کے خاصوں کا مجموعہ نفس بنا۔ نفیس ہوا نفس و شیطان پر غلبہ پاکر یہاں عبادت کرتا تھا۔ جب یہ کام جتنا جتنا جس کے ذمہ تھا پورا ہو گیا تو اب روح کو عالم بالا سے یہاں لا کر قید کرنے کی وجہ ختم ہو گئی تو قاعدہ فطریہ ہے۔ کہ جن جن اجزاء سے کوئی چیز مرکب کی جائے جب اس کو توڑا جاتا ہے تو ہر جزء کو اپنے اپنے مقام پر پہنچا دیا جاتا لکڑی لوہے سے تخت بنایا تو توڑنے پر لکڑی لکڑیوں میں اور لوہا لوہے میں ڈالا جاتا ہے۔ موت کے وقت یہ مرکب توڑا گیا تو روح نورانی عالم بالا کی جز تھی وہاں اور جسم عنصری یہاں کی چیز تھی وہ یہاں جس شکل میں چاہے ہو عناصر میں پہنچا دی جانی ضروری ہے۔ روح وہاں پہنچ گئی اور جسم خاک پیوند خاک کر دیا گیا۔ اس لیے مرنے کے معنے یہی ہیں کہ جسم خاک میں اور روح کو عالم بالا میں بھیج دیا ہے اسلام میں ہی فطری قاعدہ جاری ہے جسم جس ماں یعنی مادہ سے پیدا ہوا اسی کی بغل میں سلا دیا گیا۔

سوال ۱۰ ۱۸ لیکن دونوں کے الگ الگ ہونے کے بعد بھی ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں
جیسے سوتے وقت روح دماغ میں رہتی ہے مگر پاؤں میں سوئی لگنے کا احساس ہوتا
ہے یا پنکھے کی ہوا کا کر پھر سو جاتے ہیں۔ دور رہتے ہوتے بھی اتنا جوڑ دونوں میں باقی
رہنا ضروری ہے کہ آئندہ عذاب و ثواب کی تمہید ہیں اور اثرات محسوس کر سکیں جس
کو عذاب و ثواب قبر کہتے ہیں۔ اصل عذاب و ثواب تو مکمل فیصلہ کے بعد ہوگا۔ صرف
اس کے آثار یہاں ہو جائیں گے۔ اس وقت تک کا ثواب عذاب اسلام ہی میں ہے

(۲۶) جزا و سزا وہیں ضروری ہے جہاں سے بھیجا جاتا ہے

اصل انسان اس کی روح ہے جسم ایک لباس ہے جو ایک ضرورت مذکورہ سے
اس کو عطا فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں جس کام کے لئے بھیجے وہ اسی کے ذریعہ ہو سکتا تھا
جب کام کی مدت پوری ہو گئی تو واپس جانا لازمی ہے اور وہیں اس کی جزا و سزا کا اصل
مقام ہونا ضروری ہے جیسے کہ فطری قاعدہ اور سب کا معمول ہے کہ جس کام کے لئے
کسی کو بھیجا جاتا ہے تو واپسی پر ہی اس کو جزا سزا دی جاتی ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ کام کی
گنجائش اخیر تک دی جائے۔ اسلام میں اصل عذاب وہیں دیا جاتا ہے۔ دنیا و قبر
میں صرف اثرات دکھاتے جاتے ہیں۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں وہ نعمتیں اور وہ
سزائیں جو کفر اسلام کی ہیں بھیجی نہیں گئیں۔ یہاں کی نعمتیں وہاں کی نعمتوں کے مقابل
صفر ہیں اور یہاں کی سزائیں وہاں کے عذاب کے سامنے کالعدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان
سے محفوظ رکھیں۔ اسی لیے اصل ثواب و عذاب وہیں ہوتا ہے صحیح مذہبوں میں یہی
بتایا جاتا ہے جو انسانی فطرت کے موافق ہے۔

(۲۷) دین جزا و سزا ہے کفارہ نہیں

جبکہ انسان دنیا میں نفس و شیطان پر غلبہ پا کر تمام بدیوں سے بچنے اور تمام نیکیوں اور عبادتوں کو ادا کرنے کے لیے آیا ہے تو ہر دین کا مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمام بدیوں اور گناہوں سے بچائے اور سب نیک کاموں میں لگائے نفس و شیطان پر غلبہ پا کر عبادت اور نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی سختی سے ہدایات کرے تب اس کی راہنمائی سے انسانی فریضہ ادا ہو گا۔ لیکن اگر کسی مذہب میں کسی چیز کو تمام گناہوں کا کفارہ قرار دے دیا تو سزا کا قصہ ہی ختم کر دیا کفر و شرک اور گناہوں کی کھلی چھٹی دے دی تو اس نے تو دین کے مقصد کو بالکل ہی ختم کر دیا یعنی دین دین ہی نہیں رہا۔ پھر کسی کو نیکیاں کرنے اور بدیوں سے بچنے کی کیا ضرورت رہ گئی بلکہ اس سے تو نفس و شیطان کو کھلی چھٹی مل گئی کہ جو چاہے کریں کوئی سزا ہی نہیں ایسے نظریہ سے تو دین دین ہی نہیں رہ جاتا ہے۔ اس طرح جس مذہب میں تناسخ ہو گا اس نے بھی دین کا مقصد فوت کر کے دین کو دین نہیں رکھا اگر بدیوں کے بعد جانوروں کے جون میں اور نیکیوں کے بعد پھر انسان کے جون آنا ہی سزا و جزا ہو تو سزا سزا نہیں نہ انعام انعام بعض لوگ یہ بھی سوچیں گے کہ جانوروں کو تو بہ نسبت انسانوں کے بہت آزادی حاصل ہے تو وہ نیکیاں کر کے قید میں کیوں پھنسیں آزادی سے بدیاں کر کے اگلے جون میں بھی آزادی سے جو چاہے کیا کریں گے اور جب نیکیاں کر کے بھی افکار و مصائب ملیں گے تو کیوں تکلیف اٹھائیں تو ان دونوں قسم کے لوگوں نے دین کو بے دینی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ انسانی تخلیق کا منصوبہ ہی پلٹ دیا ہے خدا تعالٰے کے فعل کی توہین کر ڈالی ہے اب اسلامی طور طریق پر غور کیا جائے کہ ہمیشہ کی نجات اور دائمی راحت و آرام حاصل کرنا ہے تو بدیوں اور کفر و شرک سے بالکل الگ ہونا ہو گا اور کچھ ہو جائے تو توبہ سے پاک صاف ہونا ہو گا اور دوزخ کی بے انتہا شدید آگ میں ہمیشہ کو جلنا منظور ہے تو ان میں ملوث ہوں۔ لہٰذا صحیح و کامل نجات و ابدی راحت کا دین ہے

تو صرف اسلام ہی ہے۔ شفاعت سے کوئی شبہ نہ ہو کہ جہنم کی سزا اس وقت تک کی ہی ناقابلِ برداشت ہے پھر شفاعت کا لہ سب کے لیے نہیں جنت کے مستحق کی عارضی سزا کی ہے۔

۴۸ بدی کے مادہ کا قلع قمع نہیں قدغن ضروری ہے

انسان میں جو جانوروں کی صفتیں آگئیں اور عناصر اربعہ کے جو جو خاصے گناہوں پہ بھڑکانے والے آ گئے ہیں۔ دین کے پیر دکار کے لیے ان سب کو کچلنا لازمی ہے تو بعض دینوں میں ان کو بالکل جڑ سے نیست و نابود کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً غصہ، کبر و غرور، خود پسندی، حرص و حسد۔ شہوت اور خواہشات سب کی جڑیں ہی کاٹ دی جائیں بالکل ختم کیا جائے۔ بظاہر ان کا یہ قاعدہ بہت عمدہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ بدی کے مادے ہی نہ رہیں گے تو آدمی نیک ہی نیک صفات کا مجموعہ اور کامل فرشتہ بن جائے گا۔ اسی غلط فہمی کے لوگ شکار ہوتے ہیں۔

لیکن اسلام ایسا نہیں کرتا کیونکہ اول تو یہ سب باتیں انسان کی پیدا کردہ نہیں ہیں حق تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ ان کو جڑ سے اکھاڑنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ ان کا پیدا کرنا ہی بُرا تھا اور یہ سخت ترین جرم ہی جرم ہے کیونکہ حق تعالےٰ کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ان کو حکمت سے خالی قرار دے کر جڑ سے اکھاڑنا تجویز کیا گیا ہے اور یہ نہ دیکھا کہ اس تخلیق خالق کو بے فائدہ قرار دے کر خالق کی توہین کے سخت ترین گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے کہ ان کی تخلیق کو بُرا کام تجویز کیا جا رہا ہے حالانکہ واقع میں تو کوئی شے بھی بد نہیں ہوتی ہے نہ اس کا پیدا کرنا بد یا مصلحت سے خالی ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہمارے استعمال کی ممانعت کی وجہ سے ہمارے لیے بد ہے جو احکام کے مکلف نہیں ان کے لیے وہ بد نہیں ہے جیسے پرہیز کی چیزیں مریض کے مضر ہیں واقعی اور سب کے لیے مضر نہیں اور جس کے پیدا کرنے میں مصلحتیں ہوں اس کی تخلیق تو نیک و بہتر ہی ہے اس لیے اس کو جڑ سے مٹانا تخلیق الٰہی کو بُرا قرار

دینا ہے العیاذ باللہ دوسرے کوئی صفت جو ہمارے لیے بد ہے ہم کو بعض موقعوں پر خود اس کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ وہاں ہمارے لیے بد نہیں رہتی۔ مثلاً غصہ کی ضرورت دشمنوں سے جنگ میں بہت ہے اور اپنے مال عزت اور جان کی حفاظت کے لیے بھی بہت ضروری ہے ورنہ کسی چیز کی خیر نہیں ہے ہاں جہاں جہاں اس کا استعمال منع ہے یعنی بے وجہ یا معمولی بات پر سختی و ظلم تک یہ درجہ اس کا بد ہے۔ اگر کسی تدبیر سے غصہ کا مادہ ہی ختم ہو گیا تو جان مال آبرو کے کس قدر نقصانات ہوں گے اندازہ لگا لیجئے۔ اسی طرح ایک ایک بات پر غور کر لیجئے کہ بعض بعض موقعوں پر ان کی سخت ضرورت ہوتی ہے جس میں یہ عادتیں بد نہیں رہتیں اگر شہوت و خواہشات نہ رہیں تو اولاد کے بند ہونے سے تخلیق عالم میں رخنہ پڑتا ہے اور ہر انسان کو جو اولاد سے دین و دنیوی منافع کی آرزو ہے ختم ہو کر رہ جاتی ہے حرص کا مادہ اگر نہ ہو تو آدمی دنیا اور دین میں خاک ترقی نہیں کر سکتا اس لیے ان کیلئے بجائے ختم کرنے کے صحیح و غلط موقع مقرر ہونا ہی لازم ہے۔ ابھی ابھی ایک نظیر خوب مشاہدہ میں آ چکی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی میں جو اولاد کی تولید کے ذرائع بند کر دیئے یعنی مرد و عورت دونوں کو بالکل خصی بنا دیا جو انسانوں کے لیے حرام ہے۔ ایک دو اولاد ہونے پر یا بالکل نہ ہونے پر تمام توقعات خاک میں مل گئیں اور امراض کا حملہ الگ ہو گیا۔

اسلام میں ایسا خطرناک نظریہ نہیں ہے بلکہ ایسے قویٰ کے مواقع مقرر کر دیتے ہیں جہاں ان سے نفع حاصل کرنا درست ہے ان کی اجازت ہے اور ان کے علاوہ استعمال صحیح نہیں ہوتا اور ہر دین کا کام یہی ہے کہ ہر ہر چیز کے نفع و ضرر پر جواز و عدم کے مواقع بتا دیئے جائیں چنانچہ کھانے پینے استعمال کی چیزوں اور زبان دل۔ ہاتھ، پیر کے کاموں میں آپ دیکھیں گے کہ صحیح مواقع پر استعمال درست اور غلط مواقع پر گناہ ہے۔ ان سب قویٰ میں اسلام کی یہی خصوصیت ہے اور اس کے استیصال کو توہین قدرت اور غیر محل میں استعمال کو ظلم عظیم و گناہ سخت قرار دیتا ہے۔ یہ بات اور جگہ نہیں ملتی۔

(۲۹) ہر چیز ترک کرنی ضروری نہیں صرف پرہیزی چیز

انسان کی تخلیق ایسی عبادت کے لیے ہوئی ہے جو انسان و جنات کے سوا کسی اور سے نہیں ہو سکتی جیسے کہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں اور ایسی عبادت عالم بالا میں رہ کر نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لیے تمام اسباب ذرائع پیدا کرنے۔ اور تمام اعضا و قویٰ عطا کرنے کے بعد اس کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اس لیے اس کا نقطہ نظر صرف یہی عبادت ہونا ضروری ہے اور اس دنیا کی آب تاب رونق و لذات کے انہماک سے نفرت ہونی لازم تھی۔ لیکن انسان انسان ہی تو ہے۔ دنیا میں رہ کر بالکل اس سے الگ تھلگ ہونا مشکل کام ہے۔ پھر تو اس کی زندگی گو چند روزہ ہے مگر وہ بھی وبال جان ہو جاتی۔ چنانچہ بعض ادیان میں ہر چیز کو ترک کرنا لازم قرار دیا گیا ہے جو عادۃً امکان سے خارج اور جن جن منافع کے لیے پیدا کی گئی تھی ان کو ضرر ہی ضرر قرار دینا قدرت سے جنگ ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں صرف پرہیزی چیزیں حرام کر دی گئی ہیں۔ باقی سب کو رکھنے، استعمال کرنے کی حد کے اندر بالکل اجازت ہے مگر اصل کام سے غفلت اور دین سے تصادم و ٹکراؤ سے بچ بچ کر۔ اس لیے جب دنیا کے اس امدادی کسی کام اور آخرت کے اصلی کسی کام میں ٹکراؤ ہو تو آخرت کے کام کی ترجیح کا اصول قائم رکھنا ضروری ہے۔ یعنی دنیا بھر کے تمام غیر پرہیزی اور جائز کاموں میں مصروفیت کی اجازت ہے بشرطیکہ فرض اصلی یعنی آخرت کے کام میں رکاوٹ نہ بنے کسی جائز اور غیر پرہیزی کام سے منع نہیں فرمایا۔

(۳۰) اعلیٰ و ادنیٰ کا صحیح معیار

انسان انسان یکساں نہیں ہوتے کسی میں قوت طاقت زیادہ کسی میں کم کوئی حسین و جمیل کوئی معمولی کوئی معزز خاندان کا کوئی معمولی کا کوئی کسی ملک کا باشندہ ہے کوئی کسی کا

مگر یہ سب دنیوی باتیں ہیں بعض مذاہب میں خاندانوں کے فرق اور بعض میں خطہ یا ملک کے فرق سے ایک کو اعلیٰ و معزز اور ایک کو ادنیٰ و پست قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ دین میں تو کسی دینی بات ہی کی وجہ سے اعلیٰ و ادنیٰ ہونا ضروری ہو سکتا ہے اور آج کل تو عام نظروں میں دولتمند اعلیٰ اور کم مایہ ادنیٰ شمار ہونے لگا ہے اور اس کو ہی دین کا اعلیٰ و ادنیٰ شمار کرنے لگے ہیں گویا ان سب نے دین کو دنیا کا تابع اور ایک شعبہ بنا لیا ہے مگر اسلام میں یہ بات نہیں ہے وہاں کا حکم یہ ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (بے شک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے) یہاں ذات پات قوت طاقت وطن اور دولت سے عزت نہیں حاصل ہوتی۔ یہ سب عارضی اور اصل کام کی مددگار چیزیں ہیں اصل کام عبادت ہے تو یہ حقیقت ظاہر ہے کہ صرف متقی ہونے سے عزت حاصل ہوتی ہے دنیا کی بھی دین کی بھی یہاں بڑے سے بڑے دولت مند بڑے سے بڑے حکومت والے کو ایک غریب فقیر مگر اعلیٰ درجے کے متقی کے برابر نہیں قرار دیا جاتا۔ جو انسان اپنی خلقت کی غرض کی کسوٹی پر کھرا اترتا ہے وہ ہے اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ۔ یہی بات دین کے اعتبار سے اعلیٰ ادنیٰ ہونے کی ہو سکتی ہے جو اسلام کے سوا اور کہیں نہ ہو گی۔

(۴۱) سب سے زیادہ امن و امان

دنیا بھر کے کسی غیر اسلامی ملک کا حال معلوم کیجئے تو وہاں جرائم کی بھرمار ملے گی وہاں کے باشندوں میں کسی کی جان مال آبرو خطرہ سے باہر نہ ملے گی۔ لیکن جس اسلامی ملک میں اسلامی قانون مکمل نافذ ہے جیسے سعودی عرب وہاں ہی جرائم کا صفر ملے گا۔ چوری ڈاکہ بالکل غائب ہے۔ ہر سال کے آنے والے حاجیوں سے معلوم کر لیجئے کہ چوری ڈاکہ قتل و غارت تو بڑی چیز ہے۔ اگر ان کی کوئی چیز بھولے سے بھی کہیں رہ گئی ہے تو وہ بعینہ دستیاب ہو جائے گی جبکہ حج کے موقع کا اتنا زبردست مجمع ہے کہ دنیا بھر میں کہیں اتنا رش کبھی نہیں ہوتا۔ بدکاری

بدفعلی، جھوٹ، دغا فریب پر کی دار و گیر نے ان کو ختم کر کے رکھا ہے۔ یہ سب اسلام ہی کے طرزِ سیاست کا کرشمہ ہے کہ ساری دنیا میں سب سے زیادہ امن و امان اسلام کی وجہ سے ان کو میسر اور پچاس ساٹھ سالہ حکومت میں جیسے کہ سنا ہے ایک رجم ہوا کل ۹ نو ہاتھ کٹے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ساری دنیا کے لوگ جرائم کی اہمیت و سختی سے ناواقف یا قصداً ان پر پردہ ڈالنے والے یا انہوں نے اپنے عزیزوں دوستوں کی سرزنش کے خوف سے سزائیں ہلکی ہلکی بنا رکھی ہیں جن سے جرائم کی جڑ نہیں کٹتی بلکہ اور بڑھ کر جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے اور اسلام نے ہر ہر جرم کو اسلام سے سرتابی قرار دے کر سخت سخت سزائیں مگر سخت شرطوں کے ساتھ تعلیم فرمائی ہیں جن سے تمام کے تمام ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلامی سزا کے نام سے کئی سال ہوئی "البلاغ" میں میرا مضمون طبع ہوا تھا جس میں ان کی خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں۔ افسوس کہ سعودی عرب کو دیکھ کر بھی دنیا کی آنکھیں نہیں کھلتیں کہ جرائم کو ختم کرنے کا علاج ہی اسلامی سزائیں سخت سخت دینا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ جس اُستاد کا مزاج سخت گیر نہیں اس کے شاگرد ماہر نہیں ہوتے جس بیوی کا خاوند سخت گیر نہیں اس سے کبھی گھر کا انتظام درست نہیں ہو سکتا جو افسر سخت گیر نہیں کبھی اس کے ماتحت کام کے نہیں ہو سکتے مگر یہاں آ کر نہ معلوم کیوں عقلیں دھوکہ کھا جاتی ہیں بس اسلام ہی وہ دین ہے جو تمام جرائم کا انسداد کر ڈالتا ہے اور عزت آبرو جان ہر شخص کی محفوظ کر دیتا ہے ساری دنیا میں اس کی نظیر نہ ہو گی۔

(۳۴) بہترین و بدترین مخلوق اور دائمی جزا و سزا

غالباً اوپر کے نمبروں سے یہ ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ سارے عالم کے لئے حقیقت میں دین ایک ہی ہے یعنی اسلام اور یہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قوانین ہیں جن میں عقیدے دائمی ہیں اور اعمال کے بعض احکام دائمی بعض میعادی پھر ان میں سے

بعض کا وقت معلوم بعض کا نامعلوم بلکہ دوسرے خلاف حکم کے اس کا خاتمہ اور مدت گزرنا معلوم ہوتا ہے تو اب تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی خطہ کسی زبان اور کسی خاندان کے ہوں اور کسی زمانہ میں ہوں صرف الٰہی قوانین کی پابندی سے ہی نجات ممکن ہے جو خدائی دائمی و باقی احکام ہیں جن کا نام اسلام ہے۔ اگر کسی نے بلا وہاں کے حکم کے خود کچھ گھڑ گھڑ لیا یا ان کے احکام کا انکار یا مذاق اڑایا یا توہین کی ہو گی تو وہ بالکل باغی ہے۔ اس کی کوئی بات کوئی نظریہ کوئی عمل قابل انعام نہیں ہو سکتا اور ہر جرم شدید اور سخت سزا کا حقدار ہوگا۔ بالکل خدا تعالیٰ کا انکار یا کسی صفت کا یا حکم یقینی کا انکار کفر ہے اور کسی صفت میں غیر کو شریک کرنا شرک۔ دونوں کفر و بغاوت ہیں اور تمام ذات وصفات واحکامات اور انبیاء و ملائک وغیرہ پر ایمان لے آنا ان کی پناہ میں آجانا ہے۔ اور یہ اسلام و کفر دونوں کام دائمی ہوتے ہیں ہر ایک یہی چاہتا اور ارادہ رکھتا ہے کہ تا حیات یہی نظریہ رکھیں گے یعنی کافر کفر اور مومن ایمان تا حیات رکھیں گے خواہ حیات کم سے کم ہو یا لمبی سے لمبی ہو تو دونوں کام دائمی ہونے کے قصد سے ہوتے ہیں لہٰذا بغاوت بھی دائمی اور پناہ بھی دائمی ہوئی تو ان کی جزا و سزا کا بھی دائمی ہونا ضروری ہوا تاکہ جزا و سزا عمل کے مطابق ہو گو پناہ والوں کی بعض لغزشوں اور بغاوت والوں کی بعض ہمدردیوں کا جو پناہ والوں سے کی جائے کچھ کچھ بدلہ بھی دے دیا جائے مگر وہ اصل جزا و سزائے ابدی کے سامنے کچھ نہیں نہ ان میں خلل انداز ہو سکتا ہے۔ جو اصل مقام پر واپسی کے بعد ہوتی ہے۔ جزا و سزا خالدین فیھا ابدا (ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے) ہی ہو سکتا ہے یہی ضروری و لازمی ہے۔

ایک اور بھی بات غور کرنے کی ہے کہ انسان کی تخلیق کا فائدہ اس کا ایسی عبادت کرنا ہے جو نہ فرشتوں سے ہو سکتی تھی نہ کسی اور سے، اور نہ عالم بالا میں ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کو اس عالم میں بھیجا گیا اور سب سامان اس کی ضرورت و اعانت کے یہاں پیدا فرمایا ہے جیسے اوپر کے نمبروں میں آپ دیکھ چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہوا کہ سب اس کے لیے ہیں اور

عبادت کے لیے اس لیے یہ تمام مخلوقات سے خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، افضل ہوا۔ مگر یہ افضل ہونا اسی وقت ہوگا جب اپنے تخلیقی کام میں ہمہ تن مصروف رہے۔ جتنی کام میں کمی ہوگی اتنی ہی افضلیت کم درجہ کی ہوگی اور اگر سب کا انکار ہی انکار بغاوت ہی بغاوت ہے تو شدید ترین مجرم ہے اور چونکہ یہ کسی اور مخلوق کے کام کا تو تھا ہی نہیں خالق کی عبادت اور اپنے اصل کام کا بھی نہ ہوا۔ سخت مجرم بڑا باغی ہوا اور باقی سب مخلوقات اپنے اپنے کام کے ہیں تو یہ سب مخلوقات سے بدترین ہو گیا۔ چھوٹی ہو یا بڑی اسی سے مومن صالح کو خَیرُ البَرِیَّہ (کل مخلوقات سے بہتر) اور کافر مشرک یا کتابی کو شَرُّ البَرِیَّہ (کل مخلوقات سے بدتر) فرمایا گیا ہے آپ شروع سے پڑھ آئے ہیں کہ اسلام کے سوا نہ کہیں وحی الٰہی محفوظ نہ کسی دین کی وحی کا واقعی ثبوت موجود نہ نبوی تشریح نہ بعد وفات نبی کا نمونہ بننے کے کل حالات موجود، تو اب سوچئے کہ ہم تمام مخلوقات سے بہتر کیسے بن سکتے ہیں اور سب سے بدتر کیسے۔

(۴۴) پوری مجرم قوم کی ہلاکت بند

دین تو ایک ہی ہے آدم علیہ السلام سے قیامت تک ہے کہ عقائد برابر یکساں دائمی عملی احکام یکساں وقتی ہیں جس کا مقررہ وقت گزر گیا وہ بعد میں دین میں نہیں رہا جس کا وقت ہوگا وہ دین ہے تو صرف چند عملی احکام کا فرق ہوتا ہے جن کا مقررہ وقت ظاہر نہ تھا مگر ان میں سے جس کا وقت ختم ہو چکتا ہے۔ اس کا خلاف آ جاتا ہے، اور وہ اس کی جگہ قائمقام بن جاتا ہے صرف اس فرق کی بنا پر ہر نبی کی شریعت الگ الگ کہلاتی ہے ورنہ سب ایک ہی دین ہیں۔ اور ہر زمانہ میں دین کا منکر اور توہین کرنے یا مذاق اڑانے والا ابدی مستحق سزا رہا بلکہ ان کی شرارت حد سے گزر گئی تو تمام کے تمام کو دنیا میں ہی ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساڑھے نو سو سال تک دعوت دینے پر بھی اکڑتے رہے، اور صرف

چند لوگ دین میں داخل ہوئے تو طوفان سے سارا عالم غرق کر دیا گیا تھا۔ پھر صرف حام سام۔یافث تین بیٹوں سے کل مخلوق پیدا ہوئی اور بھی بہت منکر قوموں کے ہلاک ہونے کا بیان ہر آسمانی مذہب کی کتابوں میں ہے لیکن رحمۃ للعالمین کے آنے کے بعد کے ان کافروں کا پوری کی پوری قوم کا ہلاک کیا جانا بند فرما دیا گیا یعنی ان کو آخر دم تک توبہ کرنے اور ہدایت قبول کرنے کی گنجائش دے دی گئی جو کسی دین میں نہ ہوتی تھی۔ یہ امتیاز صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ امت دعوت (یعنی جن کافران کو دعوت اسلام دی گئی تھی) ان پر بھی یہ رحم وکرم ہوا ہے کہ باوجود مستحق عذاب ہونے کے ان کو دنیا میں باقی رکھا گیا بلکہ دنیوی عیش کے ساتھ۔

(۳۴) کارخانہ عالم کیوں ہوا اور کب اور کیوں ختم ہوگا

انسان کی تخلیق ایک خاص عبادت کے لیے اور سب مخلوقات اس کے لیے پیدا کیئے گئے ہیں اور ایک یہ فطری قانون سب کے عمل میں ہے کہ سب کہیں کسی کام یا کسی تقریب یا کسی غرض کے لیے کسی کو عارضی قیام کرانے کا مقصد ہو تو وہاں اُس کے لیے پورا پورا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہاں کوئی کام والا ایک بھی نہ رہے تو وہ سب انتظامات درہم برہم کر دیئے جاتے ہیں خواہ دوسرے وہاں ہوں یا نہ ہوں۔ جب ساری دنیا میں کوئی بھی دین پر عمل پیرا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ کوئی اللہ کہنے والا بھی نہ رہے گا تو پوری دنیا تباہ و برباد کی جانی لازم ہے جیسے حدیث شریف میں اطلاع دی ہوئی ہے۔ دنیا کا وجود صرف عبادت گزاروں کے لیے ہی تو تھا۔ باقی اور سب تو ان کے طفیل میں آرام وراحت اور زندگی پا رہے تھے انہی کے طفیل سے سب کارخانہ قائم ہے جب ان میں سے کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم اور قیامت برپا ہو جائے گی یہی قانونِ فطرت ہے جس کے لیے خیمہ لگتا ہے اس کے نہ رہنے پر اکھاڑ دیا جاتا ہے۔

(۴۵) تعلیماتِ دین

انسان کا تعلق اصل تو خالق تعالیٰ سے ہے اور باقی اشیا سے مخلوقیت میں شریک ہونے کا ہے۔ کہ وہ سب بھی ہمارے خالق کی مخلوق ہیں۔ پہلے تعلق کے واسطے ہمارے لیے دو کام ہیں عقیدے اور عبادات اور دوسرے تعلق کے واسطے تمام لوگوں سے معاملات۔ اخلاق۔ سیاستِ صحیحہ ہے اور جو رشتہ دار ہیں ان سے صلہ رحمی۔ باقی کے لیے پڑوسیوں کے حقوق جانوروں کے حقوق اور سب مخلوقات کے حقوق ان سب پر علمائے دین کے رسائل و تصنیفات موجود ہیں جہاں ان میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) عقیدے اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام صفات دوبارہ زندگی عذاب و ثواب جنت دوزخ تمام انبیاء و رسل تمام فرشتوں اور تمام کتابوں پر جبیسی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں وغیرہ وغیرہ ایمان لانا ہے ان کی تو ہر دین سماوی میں یکساں تعلیم اہتمام ہے اور اس بات میں سب ایک ہیں۔ گو بعض لوگوں نے غلط فہمی یا شیطانی دھوکہ میں آ کر ان سے انحراف کر لیا ہے تو اس سے بچنے کی ہر شخص کو ضرورت ہے تاکہ ابدی عذابات سے بچ سکے۔

اسلام میں خدا تعالیٰ کی توحید جس قدر ہے اور دینوں میں اس قدر نظر نہیں آتی۔ یعنی تنہا و یکتا عبادت کا حقدار ہونا اور ہر ہر صفت میں یکتا ہونا کہ کوئی قریب قریب بھی نہ پہنچ سکے اور جن صفتوں کا پرتو مخلوقات کو دیا گیا، ان کے دو انتہائی درجے ذات یکتا کے لیے خاص ہونا ایک بالذات ہونا یعنی خود بخود بغیر کسی کے دیئے ہوئے ہونا دوسرے محیط کل یعنی ازل سے ابد تک اس کا تعلق ہونا مثلاً علیم و سمیع و بصیر و حلیم ہونا قدرت عظمت عزت رحم و کرم وغیرہ وغیرہ جس کو بھی جس قدر میسر ہیں وہ کسی کو خود بخود نہیں صرف خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں اور جس کو جتنی چاہی دی ہے اور اُن کے سوا کسی کو ازل سے ابد تک کی یہ صفت

حاصل نہیں بلکہ اس کا کسی اور میں ماننے والا شرک میں مبتلا ہے اسلام سے خارج ہے غور کیجئے کہ معبود ہونے میں اور کسی بھی صفت کے کمال میں کوئی مخلوق قریب نہیں ہو سکتی کیا ایسی توحید اور کہیں ملے گی۔

(ب) عبادات کہ جب انسان کو ایسی خاص عبادت کے لیے جو عالم بالا میں نہیں ہو سکتی تھی یہاں بھیجا گیا اور تمام اسباب زندگی وراحت اس کے لیے پیدا کیے گئے تمام اعضاء و قوی عطا فرمائے گئے۔ دل و دماغ، ذہن، حافظہ، عقل پھر عزت آبرو سب مخلوقات سے زائد اور مال و دولت بقدر ضرورت، تو اب انسان کی شکر گزاری یہ ہے کہ عزت و آبرو۔ تمام اعضاء۔ دل دماغ ذہن حافظہ اور مال دولت سب سے عبادت کا سلسلہ قائم ہو اور ہر وقت ہو بلکہ یہ بھی کم کم درجہ ہے ورنہ جب ان ہی کے پیدا کردہ ان ہی کے سب کچھ دیئے ہوئے ہیں تو سب کے سب بھی ان کی یاد اور عبادت کی نذر کر دینا کوئی ایسا کمال نہ تھا نہ ہماری کوئی چیز تھی، مگر حقیر بندوں سے کسی کسی وقت کسی کسی مقدار کو مقرر کر کے کچھ کچھ کا ہونا آخر یہ فضل و کرم نے ہی منظور کر لیا ہے۔

اپنی عزت آبرو پیشانی و ناک رگڑ رگڑ کر ہر وقت ان کے حکم پہ نثار کرنا، دن رات میں کبھی غفلت کا شکار نہ ہونا بالکل ضروری تھا۔ مگر کرم ہے کہ طلوع و غروب کے وقت اور شدید گہما گہمی کے کاروبار کے اوقات، سونے کے قریب کے غفلت کے اوقات میں ہی ایسی عبادت جس میں تمام اعضاء ظاہری عاجزی و انکساری میں دل و دماغ ذہن سے شائستگی اور زبان سے تعریف و توصیف میں پوری پوری کوشش صرف کرنی ہے۔ دل میں ایک عجب چسک اور خالی وقت میں دوسری کے انتظار میں حکماً عبادت ہو کر ہر وقت کی ایک لگن رہتی ہے اور پھر سب کام یہ انجام پاتے ہیں کہ غفلت سے بیچ بیچ جاتے ہیں ایسی عمدہ عبادت کہ سر سے پیر تک ہر عضو اور ہر قوت اس میں مصروف ادائیگی کے پورے وقت تک چلنا پھرنا کھانا پینا بات کرنا نہ ادھر دیکھنا نہ کسی کو سلام نہ جواب، نہ

آسمان کو سر اٹھا نا دیکھنا نہ دل میں کسی خیال کو لانا اور خود آجائے تو نہ رکھنا صرف خدا کے حضور، دست بستہ بار بار جھکنا زمین پر سر رکھنا کھڑا ہونا ایسی عبادت اور روحی ورزش ہے کہ غفلت کے پردے چاک کر دیتی ہے پھر لباس میں اس کی پاکی میں جسم کی پاکی جگہ کی پاکی کی ضرورت پھر ضرورت کے وقت خرچ کرنا اور مسجد یا نماز کی جگہ اعتکاف رکھنا تمام مالی جانی جاہی عبادت ہے اور نفس کی خواہشات کو پیس پیس ڈالنا۔ دن رات میں پانچ بار کم سے کم بتیس ۳۲ رکعات ہیں۔ اس رحیم و کریم کے یہاں غور تو کیجئے کس کا کیا درجہ ہوگا۔ روزانہ اتنے اتنے وقت ہر انسان میں فرشتوں کی صفات بلکہ خدائی اخلاق کی مشق ہے۔

(پھر یہ پانچ وقت کی نماز وہ عبادت ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی مقبول ترین عبادتوں کا مجموعہ ہے امام طحاوی نے ملاذ ج: ا پر صلاۃ الوسطی کے آخر میں ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد بن عائشہ بنت طلحہ سے روایت کیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی توبہ صبح کے وقت قبول ہوئی تو انھوں نے دو رکعتیں پڑھیں وہ صبح کی نماز ہوگئی اور ظہر کے وقت حضرت اسحٰق کا فدیہ دیا گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے چار رکعت پڑھیں۔ وہ ظہر کی نماز ہوگئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام جب موت کے بعد اٹھے پوچھا گیا کتنی دیر رہے عرض کیا ایک دن پھر سورج کو دیکھا تو کہا کہ کچھ حصہ دن کا پھر چار رکعت پڑھیں یہ عصر کی نماز ہوگئی اور داؤد علیہ السلام کی بخشش مغرب کے وقت ہوئی تو چار رکعت پڑھنی چاہی، مگر مشقت پر ہوئی تو تین پر بیٹھ گئے یہ مغرب کی تین ہوگئیں اور سب سے پہلے عشاء ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی پڑھی ہے

اس لیے اسلام کی یہ عبادت تمام دینوں کی مقبول عبادتوں کا مجموعہ ہے کہ اور کسی دین میں یہ سب نہ تھی۔ اس میں تمام اعضا شریک ہیں۔ پھر دل میں دماغ و ذہن میں اول سے آخر تک یہ شدید تصور کہ میں فرمانبرداری میں حاضر ہوں اور اللہ تعالے مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس سے دل کا سب گرد و غبار دور ہو کر صاف آئینہ بن جاتا ہے جس پر روز پانچ مرتبہ قلعی ہوتی ہے حاصل ہوگا۔ رُوح کو مرکز انوار سے اتصال نصیب ہو کر کس قدر نوری غذا و قوت حاصل ہوگی۔

سوچنے کی بات ہے یہ عبادت تمام اعضا و قویٰ کی عاجزی کے ساتھ ہو کر ان کی سرکشی کا تریاق ہے جو ہر روز بار بار استعمال ہوتی ہے۔

انسان کا فرشتوں کی صفات حاصل کرنا اور جانوروں کی حرکات سے الگ ہونا ہی کمال ہے بلکہ خدائے برتر کے اوصاف کے مشابہ حال حاصل کرنا اعلیٰ ترین کمال ہے فرشتے کھانے پینے جنسی میلان سے پاک ہیں اور ہر وقت عبادت میں مشغول تو ان کی مشابہت کی ورزش سال میں ایک ماہ تک کہ زیادہ تحمل سے باہر بھی روزہ کی شکل میں حاصل ہوتی ہے اور جیسے پہلوانوں کو تھوڑے سے وقت کی ورزش تمام سال بلکہ تمام عمر فائدہ دیتی ہے اسی طرح ایک ماہ کی سالانہ یہ ورزش جو فرشتوں بلکہ خدا والی صفات کے لیے ہوتی ہے عمر بھر فائدہ دیتی ہے عبادات کا یہ ایسا ماہ ہے کہ ہر عبادت کا ستر گونہ ثواب رکھتا ہے۔ پھر روزہ انتہائی فرمانبرداری اور اس قدر فرمانبرداری کی ورزش ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک مجال نہیں کہ ایک قطرہ یا ایک دانہ بھی حلق کے اندر پہنچ سکے بلکہ روزانہ پانچ وقت وضو ہوتی ہی ہے اور کچھ مرتبہ بھی کلی کرنے میں پانی منہ میں بار بار گشت لگاتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ ذرا بھی حلق کی طرف جا سکے۔ یہی نہیں کہ بڑے بڑے طاقتور نوجوان مرد ہی گرمی کے زمانہ کے سولہ سولہ گھنٹے اس طرح رہتے ہیں بلکہ چار پانچ سات سات سال کے بچے بچیاں بھی کہ جن پر یہ لازمی بھی نہیں برابر اتنے گھنٹے بغیر آب و دانہ خوشی خوشی پورا کرتے ہیں۔ یہ شاید دنیا بھر میں کہیں اس کی نظیر نہیں مل سکے گی اور صحت جسم کے فوائد تو نیک طبیعت لوگ خوب خوب بتاتے ہیں مگر روح کے مدارج کی ترقی عنصری غذا کے عوض نوری غذا سے جو حاصل ہوتی ہے اسے وہی محسوس کر سکتا ہے جو اس ذائقہ سے آشنا ہے فاقہ جو روزہ کا ایک جز ہے فاقہ اسی لیے کہلاتا ہے کہ اس سے روح انسانی کو فوق کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے مرض میں صحت کا، فوق کا درجہ افاقہ کہلاتا ہے۔ یہ دونوں عبادتیں تو بدن سے ظاہراً روح سے باطناً ادا ہوتی ہیں اپنے ہی بدن سے ادا کرنی ہیں۔ دوسرے سے ادا نہیں کرائی

جا سکتی ہیں۔

(ج) مال و دولت بھی اعضاء و قویٰ کی طرح بڑی نعمت ہیں ان کو بھی خدا تعالیٰ کے احکام کے موافق غریبوں معذوروں کو دینا ایک مالی عبادت ہے۔ ضرورت تو اس کی معلوم ہوتی تھی کہ سب کچھ ان کی مرضی پر نثار کر دیا جائے اور ایسے حوصلہ والے جوان بھی اسلام میں ہو چکے اور ہوتے رہتے ہیں مگر اس کے لازمی کام کے لیے بدرجہ فضل و رحمت بہت ہی رعایت اور شفقت کے اصول عطا فرما دیئے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت تک پر کوئی مالی عبادت لازم نہیں فرمائی اور جس پر لازم فرمائی ہے وہ بھی ہر وقت نہیں بلکہ سال بھر تک ضرورت سے فراغت پر اور کل نہیں بلکہ بہت کم حصہ کم مشقت والا تقریباً چالیسواں حصہ اور پھر اس مال پر کچھ لازم نہیں جو بڑھتا ہو نہ بڑھنے کا ذریعہ سونا چاندی نہ ہو۔ اور پھر فارغ میں کل نہیں۔ ذرا ذرا سے مال پر نہیں بلکہ رحمت و شفقت نے خاص خاص مقدار مقرر کر دی ہے کہ فارغ مال میں بھی اس سے کم پر نہیں پھر کوئی مقدار مقررہ نہیں فرمائی کہ کم و بیش مال پر یکساں اور کم والے پر سخت بار ہو، بلکہ حصہ مقرر فرمایا گیا جو کم کے ساتھ کم زیادہ کے ساتھ زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک مقدار مقرر کر دی کہ چاہے اس قدر بھی مشکل حاصل ہوئی مگر یہ دینی لازم ہو جائے نہ حصہ اتنا زائد ہے کہ دے کر انسان پریشان ہو جائے۔

روزمرہ کی حاجت سے زائد سونا کم سے کم ساڑھے سات تولہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ نصاب ہے خواہ زیور یا کسی شکل میں بھی ہو۔ اس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ تجارتی مال سونے کے کاروباری شہروں میں سونے کے نصاب سے چاندی یا اس کے بدل کے کاروباری شہروں میں چاندی کے نصاب سے کم پر اور سال بھر نہ ہونے پر یا اس قدر قرضہ ہونے پر یا کوئی نہ بڑھنے والا مال ہو تو کچھ فرض نہیں۔ سال میں ایک بار عید الفطر پر مال پر صرف اپنا اور باپ پر اپنا اور نابالغ بچوں کا فی کس پونے دو کلو گندم یا قیمت اور عید الاضحیٰ پر خود پر ایک بکری یا ⅐ حصہ

اونٹ گائے کا اس پر واجب ہے جو نصاب کی قیمت کا کوئی مال ضروریات روزانہ سے فارغ رکھے۔ دودھ، گوشت کی فراوانی کے لیے سال کا اکثر حصہ خود رو جنگل کی گھاس پر گزر کرنے والے اونٹوں گائے بیل بھینس بکری بھیڑ پر خاص مقداروں سے کم پر نہیں زیادہ پر مقررہ مقدار ہے (جو ضرورت پر معلوم کی جا سکتی ہے) اور سونے چاندی یا اموال تجارت پر ۱/۴۰ ہے۔ باغات کھیت کی پیداوار پر اگر پانی قیمت یا مشقت سے ہو ہر ایک کے حصہ پر ۱/۲۰ اور بلا قیمت بلا مشقت ہو تو ۱/۱۰ اگر غور سے حساب لگا کر دیکھیں تو اس اصول پر ملک بھر میں کوئی نادار نہیں رہ سکتا۔ کوئی معذور پریشان نہیں ہو سکتا نہ دولتمند پر اتنا بار پڑتا ہے کہ وہ غریب ہو جائے۔ ایسا اعتدالی کام کسی اور جگہ نہ ملے گا پھر غیر لازمی طریق سے ثواب حاصل کرنے کے لیے یہاں تک خیرات کی اجازت ہے کہ خود محتاج نہ ہو جائے یہ صرف مالی عبادت ہے۔ دوسرے سے کہہ کر بھی دلوائی جا سکتی ہے۔

(۵) انسان کا یہ نام انس سے بنا ہوا ہے۔ اس کو ہر چیز سے انس حاصل ہوتا ہے جس جگہ رہے جس کے ساتھ رہے جس سے میل جول ہے اس سے اُنس ہو جاتا ہے۔ دن رات کی کم سے کم فرض واجب سنت کی چالیس رکعت روزانہ ہیں ہر رکعت میں تصور قائم کرے کہ حق تعالیٰ سے ہم کلامی ہوتی ہے۔ اس سے اُنس شدید پیدا ہونا لازمی بات ہے اور انس کی شدت کے بعد بسا اوقات بیقراری پیدا ہوتی ہے اس کے قرار و سکون کے لیے عاشقانہ افعال کی عبادت حج ہے۔ جس کا ہر کام عاشقانہ ہے اگر اُنس میں کچھ کمی بھی ہو گی تو عاشقانہ افعال سے اس میں عجیب روح پیدا ہو جائے گی۔ اس قسم کی عبادت ہی مخلوقات میں سب سے بہتر کے لیے مناسب تھی اگر چند بار یہ میسر آ گئی تو فطری اُنس خود اس کے ہر ہر کام سے ہونا لازم ہے۔ یہ عاشقی عبادت اہم خصوصیات میں ہے جس میں جان مال دونوں کو رضا پر قربان کرنا ہے کیونکہ

یہ عمر بھر میں ایک بار اس پر فرض ہے جس کو سفر کے بقدر تمام ضروریات حاصل ہوں
یہ بدنی و مالی عبادت اپنے بدن سے اور بعد وفات دوسرے سے ادا ہو سکتی ہے۔

(۵) سے نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

دنیا کی بصارت اس درجہ بصارت نہیں کہ حقیقت کو دیکھ سکے آنکھ تو صرف ہئیات اوپر اوپر کی اور رنگت ہی دیکھتی ہے اس کے نیچے کی بھی چیز نہیں دیکھ سکتی خدا تعالےٰ کا دیدار و جلوہ دیکھنا جس کی تاب پہاڑ تک نہیں لا سکتے ذراسی کمزور آنکھ کیسے دیکھ سکتی ہے۔ ہاں آخرت کی بصارت اہل ایمان کی ہو سکتی ہے وہاں جلوہ ہوگا۔ تو اب عشق انسان کی تسلی ان کے کلام سے ہی ہو سکتی ہے جو صرف اسلام میں موجود اور بعینہٖ محفوظ ہے جس کے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں ۔ ایسے ہی اور تمام اذکار و درود جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے اور تصوف نے رگ رگ میں پیوست کرا دئے۔

(۳۶) تہوار

قریب قریب ہر قوم میں کم سے کم ایک دو دن ایسا ہوتا ہے کہ سب خوشی مناتے، ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ دعوت و ضیافت ہوتی ہے۔ اسلام میں یہ صرف دو تہوار ہیں ایک عید الفطر دوسرا عید الاضحیٰ۔ انسان کے فطری جذبات کی تسکین کے لیے یہ دو دن تہوار کے ہوئے مگر اسلام کا تہوار اور مذہبوں کا تہوار نہیں کہ جس میں خوشی و مسرت نفسانی باتوں سے حاصل کی جاتی یہ ایک روحانی و نورانی مذہب ہے اور اصلی انسان کے اندر روح ہے جسم تو ایک لباس ہے اصل خوشی روح کی ہے جو تیس روزے فرمانبرداری کی عجیب ترین ہمت سے انجام دینے کے شکریہ اور

سال بھر کی زندگی کے شکریہ میں اپنے خالق تعالےٰ کے سامنے جان و آبرو کی عاجزی اور مال کی پیشکش فطرہ و قربانی سے انتہائی مسرت کے ساتھ عہدہ برآ ہونا ہے یہی خوشی دین کے مناسب ہوتی ہے ورنہ نفسانی لذتیں میلوں ٹھیلوں والی کیسے دین کہلا سکتی ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ گانے بجانے سے نفس کو لطف و کیف حاصل ہوتا ہے بڑا مزہ آتا ہے۔ مگر دین کو اس مزہ اور نفس کے لطف سے کیا واسطہ مذہب تو نفس کی شورشوں کو ختم کرنے کی چیز ہے نہ کہ اور برانگیختہ کرنے کی بعض لوگوں نے دھوکہ دینے کے لیے گانے بجانے کو غذائے روح کہنا شروع کر دیا۔ اور بہت سے سیدھے سادے لوگ اس دھوکہ میں آ گئے اور کبھی اتنا سا غور بھی نہ کیا کہ غذا تو وہ ہے۔ جس سے نشو و نما اور قوت حاصل ہو تو ہر شخص اپنے دل سے تحقیق کر سکتا ہے کہ گانے بجانے سے بدی کے شوق میں قوت پیدا ہوتی ہے یا نیکی کی قوت میں ان میں مزا ہی مزا آتا ہے یا دنیا سے نفرت اور خدائی محبت ہوتی یا ہو سکتی ہے۔ اگر ان سے روح کی قوت اور نشو و نما حاصل ہوتا تو ہر ڈوم ہر قوال اور گانے بجانے کا پیشہ کرنے والا۔ والی تمام عالم میں سب سے بڑے بزرگ اور اولیاء اللہ ہوا کرتے۔ معلوم نہیں یہ جان بوجھ کر دھوکہ دینا ہے یا نفسی خواہشات پر روح کی غذا کا ہی دھوکہ لگا ہے بہر حال مسئلہ غور طلب ہے خوب غور کی جائے۔

اسلام تو خدائی مذہب ہے وہاں ان باتوں کا کہاں گزر۔ وہاں تو بس یہ ہے کہ غسل عمدہ لباس خوشبو لگا کر اپنے آقا کے سامنے جا کر ناک رگڑیں عاجزی و بندگی کریں گناہوں سے توبہ کریں۔ عبادت سے رغبت رکھتے ہوئے ہر بھائی کے دینی کاموں پر روزوں کے اطمینان سے پورے ہونے پر قربانی پر اور سال کے خیریت سے ختم ہونے پر مبارکباد دیں خوشیاں کریں۔ ایک دوسرے سے خوش و خرم ملیں

جائز جائز خورد و نوشش اور تفریحات کر لیں۔ مگر کوئی بات شانِ اسلام کے خلاف نہ کریں۔ یہ ہے روحانیوں کی شرافت کا تہوار نہ کہ اوباشوں کا کھیل تماشا، گانا بجانا جس سے جانوروں جیسی خواہشات و حرکات کو ترقی ملے اور اچھا خاصا انسان جانور بن جائے۔

۳۷ کاروبار کے گر

باہمی معاملات کے لیے بھی اسلام میں بہت ہی عمدہ قوانین ہیں چند خاص خاص قاعدے پیش ہیں مثلاً:۔

(ا) کوئی ایسی چیز فروخت کی جو مال ہی نہیں تھی یہ حرام ہے اس سے اس قدر دھوکہ ہوتا ہے کہ خریدار کو کچھ نہیں ملتا اور مفت میں قیمت لی جاتی ہے بلکہ ایسے گناہ میں مبتلا کیا جاتا ہے (ہاں اس کے پاک اجزا الگ الگ یا پاک کر کے دیئے جائیں تو صحیح ہے) اگر کسی نے ایسا معاملہ کر لیا جیسے مردہ جانور فروخت کر دیا تو قیمت لینا درست نہیں اگر لے لی تو واپس کیے بغیر نجات نہ ہوگی۔ جیسے اور باطل طریقوں کے معاملات کا یہی حکم ہے سُود جُوا رشوت، بیع فاسد وغیرہ جس میں بلا کسی صحیح عوض کے کسی کا مال جاتا ہے اسلام کو یہ منظور نہیں۔

(ب) کسی مال کے بدلہ میں کوئی ایسی زیادہ مقدار کا معاہدہ جو کسی چیز کے عوض میں نہ ہو حرام ہے یہ دوسرے کے مال پر ایک قسم کا ڈاکہ ہے، اسلام اس کو حرام قرار دیتا ہے جیسے سُود، جُوا، رشوت وغیرہ جو دوسرے جرائم چوری، ڈاکہ چھین لینے، دبا لینے کی طرح ہے اس کی واپسی لازم ہوگی۔

(ج) کھوٹ، ملاپ، عیب پوشی، دینے میں کم تول کم ناپ، اور لینے میں زیادہ تول زیادہ ناپ اسلام میں سب جرم ہیں، حرام ہیں۔

(د) مال فروخت کرنے میں نمونہ اور ادائیگی دوسری اور اسی طرح ہر معاملہ میں وعدہ کے خلاف کرنا وعدہ کر کے معاملہ نہ کرنا سب اسلام میں جرم ہے سوائے سخت عذر کے اور اس میں بھی اخلاقاً معذرت کی پیشکش ہے ورنہ ہر دھوکہ جرم ہے۔

(۳۸) مجہول یعنی غیر معین

خرید و فروخت کرایہ وغیرہ میں مجہول یعنی غیر مقررہ چیز یا قیمت یا اُجرت معاملہ کو فاسد کر دیتی ہے۔ پھر وہ سود کی طرح حرام ہو جاتا ہے۔ کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جن سے جھگڑا فساد ہونے لگے نہ شرطیں نہ چیز کی حالت میں درست ہوگا۔ نہ ایسی کوئی شرط جس میں معاملہ کے فائدہ کے علاوہ کوئی فائدہ بائع یا مشتری کا ہو مثلاً یہ کہ پانچ روز تک رکھ کر دیں گے وغیرہ وغیرہ

M Dup

(۳۹) بلا مرضی ہر معاملہ جرم ہے

بغیر مرضی اور خوشدلی کے کسی کا مال لینا حرام ہے گناہ ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی کسی کی زمین بٹائی پر یا نقد کرائے پر لے کر یا مکان، دکان کرایہ پر لے کر معاہدہ کے بعد روکنا اور معاہدہ نہ ہو تو مطالبہ کے بعد روکنا اس کی بغیر مرضی رکھنا حرام و گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے لایحل مال امریٔ الا بطیب نفسہ (کسی کا مال حلال نہیں بغیر اس کی خوشدلی کے) اور قرآن شریف میں ہے اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (سوائے تجارت کے کہ باہمی رضامندی سے ہو) خواہ مال کی تجارت ہو یا نفع کی یعنی کرایہ پر لئے ہوئے کسی مکان، دکان، زمین جگہ غرض کسی چیز کو بھی بغیر مالک کی اجازت کے استعمال کرنا ایک منٹ کا بھی جرم و گناہ ہے بلکہ کسی مسلم غیر مسلم کی کسی چیز کو بلا اجازت استعمال کرنا بھی اسی حدیث سے منع ہے کہ کسی کے مال سے بلا اجازت نفع

اٹھانا بھی منع ہے یہ ذات شے پر گویا ڈاکہ ہے اور اس کے منافع پر تو کھلا ڈاکہ ہے۔ اسلام میں یہ سب حرام ہے ہر ہر سیکنڈ کا گناہ ہے۔

(۴۰) نرخ وہ ہے جو باہم طے ہو

جیسے اوپر کے نمبر میں قرآن و حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی معاملہ باہمی رضامندی کے بغیر جائز نہیں اس لئے کوئی نرخ بھی مقرر نہیں ہو سکتا۔ مالک جتنے میں چاہے دے لینے والا خوشی سے اتنے میں لیتا ہے تو درست ہے اگر نہیں لیتا تو چھوڑ دے اس کو مجبور کرنا یا اس کو نرخ بازار سے زائد لینے پر کوئی الزام یا جھگڑا کرنا درست نہیں، منظور نہ ہو نہ لیں۔ بعض لیڈروں نے احتکار کے معنے مشہور کر کے لوگوں کی تجارت میں خلل ڈال دیا ہے۔ حالانکہ احتکار کی چند شرطیں ہیں ان کے بغیر نہیں ہوتا (۱) صرف کھانے کی، انسانوں یا جانوروں ان کی چیزوں میں (۲) قحط کے زمانہ میں ہو (۳) چھوٹی آبادی میں ہو (۴) خود وہیں سے خرید کر روک لینا ہو۔ ایسا نہ ہو تو احتکار نہیں گناہ نہیں۔

(۴۱) تہذیب و امن کے کیمیاوی نسخے

آدمی فرشتہ و جانور کی درمیانی مخلوق ہے جانوروں سے اس کا حال اعلیٰ ہونا ضروری ہے۔ جانوروں میں کسی خواہش پر داد و گیر نہیں وہ مکلف نہیں انسان مکلف، یعنی نیک عمل کے ذمہ دار ہیں۔ ان پر داد و گیر نہ کی تو یہ جانوروں کی طرح کے فسادات کا ذریعہ ہوں گے اسلام نے تہذیب و امن کے ایسے ایسے راز دنیا کو دیئے ہیں کہ ان سے انتہائی امن و امان حاصل ہو سکتا ہے۔ امن و امان حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک مجرم لوگوں سے قتل و غارت نقصان جان و مال کی حفاظت ہو۔ اس کا انتظام تو سزاؤں کی سختی سے ہی ہو سکتا ہے جیسے کہ اوپر کے نمبروں میں معلوم ہو چکا ہے۔

اسلام میں تہذیب کا گر سکھایا ہے جس سے ہر فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے المسلم من سلم المسلمون من یدہ ولسانہ (اچھا مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں) اور جیسے نمبر ۱۴ میں آتا ہے غیر مسلم ذمی و مصالح بھی مسلمان کی طرح ہے۔ یہ تہذیب و شائستگی کا ایک عجیب گر عطا فرما دیا۔ کل تہذیب اس ایک ہی جملے میں آگئی کہ ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ انسان اس قانون میں رہ کر اعلیٰ درجہ کا مہذب ہو سکتا ہے اور کسی طرح کی کوئی تکلیف کسی کو نہیں پہنچ سکتی۔ بلکہ ہاتھ زبان کے حکم میں اور اعضا بھی مدلول کلام بن کر داخل ہیں لات اور آنکھ اشارات بھی جرم ہیں۔ اور اس دنیا میں ہر ایک کا کوئی نہ کوئی دشمن بدخواہ بھی ہوتا ہے اس کی دشمنی و بدخواہی کا کیمیاوی علاج بھی اسلام نے ہی دیا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ (بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوتیں تم ایسے طریقے سے مدافعت کرو جو بہتر ہو تو اچانک وہ شخص کہ تمہارے اس کے درمیان دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا کہ گویا بڑی حمایت والا دوست ہے)

یہ ہے وہ گر جس سے ہر دشمنی دوستی سے بدل جاتی ہے یہ ہے انتہائی تہذیب "بھلائی برائی برابر نہیں" سے بتا دیا گیا ہے کہ تم کو برائی کے بدلہ بھلائی سے کام لینا کامیابی کا نسخہ ہے۔ ایسی تعلیم اور کہاں ملتی ہے۔

(۴۲) کھیل تماشے خطرۂ زندگی ہیں

جانوروں کی ایک عادت انسانوں میں بہت پھیل رہی ہے اور خصوصاً آج کل لہو ولعب کھیل کود۔ تماشے جن کو ورزش اور تفریح کا نام دیا جا رہا ہے اور ان کے اندرونی

نہ ہر پر لوگوں کی نظر نہیں پہنچتی۔ یہ چیز دلچسپی کی ہے اتنی دلچسپی کی کہ ان میں مشغول ہو کر آدمی دنیا و دین کی ترقی کی باتوں سے رک جاتا ہے اور روزانہ کے فرائض سے بھی غفلت ہو جاتی ہے جس کے بہت بہت واقعات آپ نے سن رکھے ہوں گے پوری دنیا میں نظر ڈال لیجیے جس قدر لوگ کھیلوں کے ماہر بلکہ دلچسپی لینے والے ملیں گے وہ ہنروں اور کمالات علمی وعملی سے بالکل خالی ہوں گے۔ جس اسکول کالج میں جب جی چاہے دیکھ لیجئے جو لڑکے کھیل کے شوقین ہیں وہ علم میں صفر نکلیں گے مگر گذشتہ صدی سے اس قدر اس کو سراہا گیا ہے کہ اب تو ملکوں کی عزت و ذلت کا مدار بن گیا ہے۔ اور صدہا خاندانوں کے چراغوں کو علم و ہنر سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا گیا ہے اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ جگہ جگہ میچ برابر ہوتے ہیں اس سے بہت بڑا پروپیگنڈا ہوتا ہے جس سے علم و ہنر والوں میں اس کا شوق ہو کر انہیں دین و دنیا سے کھو دیتا ہے۔ گھر گھر اس کا چرچا سب کو کام سے معطل کر رہا ہے مگر سب کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی حالانکہ اس سے کوئی دنیا ملتی ہے نہ دین و نہ عزت و آبرو۔ فقط چند شوقین لوگوں کی واہ واہ اور علم و ہنر کا نقصان عظیم ہے۔ اسلام میں ہر کھیل گناہ ہے سوائے تین کے۔

(۱) تیر اندازی جس میں نشانہ بازی ہتھیاروں کی آزمائش آ گئی۔

(۲) گھوڑوں کی باہمی دوڑ صرف ان لوگوں کی جو جنگ و جہاد کے کام کے ہوں نہ وہ جو آج کل کی لغو محض بیوقوف بنانے اور جوئے سے پیسے لینے کے لیے ہوتی ہے۔

(۳) میاں بیوی کے افعال۔

۱ اور ۲ تو جہاد کی تیاری میں داخل ہیں۔ یہ برائے نام کھیل ہیں دراصل جہاد کی تیاری و مشق اور قوت بڑھاتا ہے جو خود ایک عبادت ہے اور اس میں آج کل

کے تمام اسلحہ کے استعمال کی مشق تمام سواریوں اور آلات کے چلانے کی مشق داخل ہے۔ اور یہ بھی نفل عبادت سے افضل ہے۔ مسلمانوں کی تکثیر کا ذریعہ ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ میں قیامت میں تمہاری وجہ سے کثرت امت پر فخر کروں گا۔ اور سینما وغیرہ میں تو بالکل انسانیت وعزت آبرو کا خون ہے کاش حکومت سینما میں بجائے شرافت کا دوالہ نکالنے والے کاموں کے جنگی پریڈ جنگی حملوں جنگی مشغول کو دکھلایا کرے تو ہر شخص کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہو۔ اور یہ کام دین دنیا کا جامع ہو جائے ظاہر ہے کہ انسان جس کام کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ اس کو ہر وقت اسی کی فکر اور اسی کا مشغلہ رکھنے کی ضرورت ہے اور پھر ان میں وہ ورزش و تفریح کے فائدے بھی حاصل ہو سکتے ہیں جو کھیلوں کے لیے بہانہ بنائے جاتے ہیں۔ بجائے ان بے فائدہ نقصان دہ کھیلوں کے جنگی مشقوں کے کھیل کا عام چرچا ہونا بہت سے انفرادی و اجتماعی فوائد پر مشتمل ہے۔ اسلام ہر وقت کو نیک کام میں لگانے کا سامان چاہتا ہے۔ قدرِ ضرورت دنیا کے لیے بھی باقی آخرت کے لیے۔

(۴۳) فساد کی جڑ

ہر ہوشمند بھی چاہتا ہے کہ دنیا میں سب امن وامان سے رہیں کسی کی کسی سے کوئی آویزش اور فتنہ وفساد نہ ہو پائے مگر شاید اب تک کوئی نسخہ اس کا نہیں ملا تو اسلام میں اس کا سو فیصد کامیاب نسخہ موجود ہے اجتماعی کا تو تمام جرائم پر اسلامی سزا ؤں کا سختی سے جاری کرنا ہے جیسے سعودی عرب میں ہو کر امن وامان قائم ہو گیا ہے اور انفرادی اسلام میں یوں ہے کہ غیبت سخت ترین جرم ہے۔ الغیبۃ اشد من الزنا (غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے) کہ جس پر رحم کیا جاتا ہے اور غیبت یہ ہے کہ زبان یا اشارہ کنایہ سے کوئی ایسی بات کسی کے متعلق کہنا کہ اس کو معلوم ہو تو ناگوار

گزرے خواہ وہ بات واقعی ہی اس کے اندر ہو اور خواہ اس کے اختیار کی بھی نہ ہو۔
دوسرے تجسس حرام ہے کہ دوسرے کی برائیاں تلاش کی جائیں۔ اور پھر فحش گالی
لعنت وغیرہ سب منع ہے فساد کی جڑ یہی ہوتی ہے کہ ایک نے دوسرے کے متعلق کچھ
برا کہا۔ اسے معلوم ہوا تو اس نے اس سے زیادہ سخت کیا۔ پہلے نے اس پہ کوئی حملہ
کر دیا ساتھی جمع ہو ہو کر جنگ ہو گئی۔ اسلام نے اس کی جڑ کو ہی ختم کر دیا ہے اگر پھر
بھی کچھ ہو تو اسلام نے دو گر بتائے ہیں جو اوپر بنیرام میں گزرے ہیں صرف یوں ہی
امن وامان ہو سکتا ہے۔

(۲۴) دُنیا بھر کو دعوتِ اسلام

(اسلامی تعلیمات واحکام چونکہ دنیا بھر کے لیے امن وامان جان مال عزت آبرو کی
حفاظت حقیقی واقعی اعلیٰ ترین تاثیرات اور بحد انصاف و راحت بے فکری کی زندگی
دو جہان کے راحت و آرام و نجات کے احکام اور صحیح و ثابت ترین مسائل کا مجموعہ
ہیں اور تمام انسانوں کی حقیقی راہبری و ہدایت ہے اور معمولی معمولی محنت میں دونوں
جہان کی نعمتیں حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ تو انسانی ہمدردی کا تقاضا شدید ہوتا ہے
کہ اپنے بھائیوں کو بھی اس میں شریک کیا جائے اگر اس کا اہتمام نہ کیا گیا تو یہ ایک
اچھا خاصا جرم بنے گا اس لیے تمام دنیا کے انسانوں کو ان کی دعوت دینا ضروری ہے۔
اگر ایک شخص عیش و آرام نجات و راحت کی تدبیریں حاصل کر لے اور دوسرے ناواقف
اس سے محروم رہ جائیں تو یہ مخلوقی برادری کا اور پھر ہم جنس مخلوق اور انسانیت کا تقاضا
ہے کہ تمام بھائیوں کو یہ راز پہنچایا جائے اگر کوئی شک و شبہ ان کو پیش آئے اس کو
اچھی طرح دُور کیا جائے یہ اسلام والوں کا طغرائے امتیاز ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ
أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں میں بھیجی گئی ہے بھلائیوں کا حکم اور برائیوں سے منع کرتے ہو) اس لیے اپنے غفلت میں پڑے ہوئے سب بھائیوں کو ان کی دعوت دینا انسانی ہمدردی کا فریضہ ہے اور اسلام میں ایک فرض کفایہ ہے۔ جس کے دو درجے ہیں۔ مسلمان غافلوں کو جگانا غیر مسلموں کو آگاہ کرنا الحمد للہ مسلمانوں میں دونوں درجے جاری ہیں۔ پھر بھی نفس و شیطان کے نرغے سے کوئی نکلنا نہ چاہے تو کیا علاج؟

(۴۵) جہاد ہمدردی کا فطری فریضہ ہے

جن انسانوں میں صلاحیت ہے نجات کی فکر ہے دونوں جہان میں راحت و سکون عیش و آرام کی زندگی کی خواہش ہے ان کے لیے تو یہ تبلیغی دعوت فرض ہے ہی، مگر جو بھائی ضدی ہیں اور ان کی غفلت بڑھ کر مدہوشی تک پہنچ گئی ہے وہ اس کا احساس بھی نہیں رکھتے تو آخر جاننے والے کو کنویں کھائی میں گرنے والے کم نظر کو بچانا اور ناسمجھی سے وہ نہ سمجھ سکے باز نہ آئے تو جبراً ایسے ہمیشہ کے ضرر تکالیف و عذابات سے بچانا گو بظاہر سختی ہو کیا انسانی فریضہ نہیں۔ کوئی نابینا کنویں پہ پہنچ چکا ہو عنقریب گر جانے والا ہو تو کیا آنکھوں والوں کا فرض نہیں کہ باوجود اس کے ضد کرنے کے اس کو زبردستی کھینچ کھینچ کر بچا لائیں۔ کیا ناواقف بچوں کو بھلائیوں کی طرف لانے بدیوں سے بچانے میں سختی اور ضدی بچوں کو مار پیٹ کر کے ہلاکتوں سے بچانا ان کے عزیزوں پر فرض نہیں بلکہ ہر شخص پر جو انسانی ہمدردی رکھتا ہے کنویں کھائی سے نابیناؤں اور بچوں اور خصوصاً ان میں سے ضدیوں کو سختی کر کے ہٹانا ضروری ہے کیا ایسا نہ کرنے والا انسانیت کا مجرم نہیں ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اپنے ناواقف اور ضدی بلکہ برسرپیکار بھائیوں کو ہمیشہ کے عذابوں سے بچانے اور

کونین کی ابدی راحت وانعامات دلانے پر کیا سختی کرنی اور جہاد کرنا فرض بلکہ عین شفقت ورحم نہ ہوگا۔ تاکہ وہ بھی خلّاق عالم کے صحیح اور بالکل ثبوت سے حاصل شدہ سو فیصد کامیاب علاجوں سے فائدہ اٹھائیں ورنہ ایسی ایسی سزا کے حقدار ہوں گے۔ اگر جاننے سمجھ بوجھ رکھنے والے بھائی ضدی بھائیوں کے ساتھ بظاہر جبر اور حقیقت میں انتہائی خیر خواہی نہ کریں تو کیا یہ انسانیت کے مجرم نہ ہوں گے؟ جیسے بچے کہ بعض بچے ضدی اور کھیلوں کے شوقین جب اچھی اچھی باتیں نہ کریں اور جاننے والے ان کے عزیز دوست ان کو خرابی میں پڑتا دیکھیں تو کیا ان پر یہ فرض عاید نہیں ہوگا کہ وہ جبر وقہر کرکے ان کو اچھی اچھی باتوں کی طرف لائیں اور تمام بدیوں سے بچائیں۔ مگر اسلام پورا جبر نہیں کرتا۔ ان کی خیر خواہی سے اختیار دیتا ہے کہ تین میں سے ایک بات کرلیں۔ یا تو اسلام لاکر دونوں جہان کے عذابوں سے نجات ابدی اختیار کریں یا کم از کم اسلامی قانون کے تحت عمل کرکے امن وامان کے ساتھ زندگی گزاریں۔ ضدی بھائیوں پر یہ بات انتہائی خیر خواہی اور انسانی فریضہ ہے جیسے بچّوں کے خیر خواہوں کو ظالم جابر نہیں کہہ سکتے انسانی بھائیوں کے ان خیر خواہوں کو کیسے ظالم وجابر قرار دیا جاسکتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو صلح سے رہیں ورنہ پھر جنگ۔

جہاد کی دو صورتیں ہیں ابتدائی جہاد تو اس طرح سے ایک انسانی فریضہ ہے جس کا ترک کرنا جرم وخود غرضی اور گویا ایسے ضدی بھائیوں سے دشمنی کرنا ہے۔ یہ تو بہت بڑا انسانی فریضہ ہے اور یہ صرف اسلام والوں پر ہی فرض ہے کہ صرف یہی دین واقعی پکے ثبوت سے ثابت ہے اور ہر طرح کے امن وامان کا ضامن ہے۔ دوسری صورت دفاعی جہاد ہے کہ یہ ضدی بھائی "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کی مثل کے موافق خود حملہ کرکے صحیح کام صحیح انجام والے بھائیوں کو بھی "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے" خود تو دو جہان کے خسارے میں آنکھیں بند کئے ہوئے پڑے تھے۔ کھلی آنکھوں والوں کو بھی

مجبور کرنے آگئے ہیں۔ لیکن یہ دفاعی کام تو ہر جاندار کا مجبوری کا کام ہے۔ صحیح راہ والوں کا یہی ہے اصل ہمدردی و خیر خواہی اوّل قسم کا ہی جہاد ہے جس کو نہ کرنا جرم اور خود غرضی انسانی بھائیوں اور ضدی ناواقفوں سے چشم پوشی کا بڑا جرم ہے۔

(۴۴) جو غیر مسلم بر سر جنگ نہیں مسلمانوں کی طرح اسکی جان مال محفوظ ہے

اسلام جیسے امن وامان اور جان مال آبرو کا محافظ ہر مسلمان کے لیے ہے ایسے ہی ان غیر مسلموں کے لیے بھی جو بر سر جنگ نہیں ہیں ان کے ملک میں ہیں یا صلح میں ہیں ان کی جان مال آبرو کا بھی محافظ ہے اور ان کو امن وامان کے قوانین کی برابری کے بعد اپنے مذہب کی پابندی میں اتنی آزادی دیتا ہے جو دوسروں کے لیے آزار اور فتنہ وفساد کا ذریعہ نہ ہو سکے اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ قدیم اسلامی حکومت نے ہندوستان میں اور موجودہ مسلم حکومت نے پاکستان میں ان پر کوئی پابندی ایسی باتوں میں عاید نہیں کی جو آزار وفتنہ وفساد کا سبب نہیں بنتی ہیں حالانکہ اسلام میں گانا بجانا، تصویریں حرام اور بتوں کی پرستش سوہان روح ہے مگر وہ اپنے گھروں میں ہمیشہ کرتے رہے بلکہ ان کی عظیم حرکت جو اسلام دشمنی کا علی الاعلان پروپیگنڈا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو کافروں کے اسلام کے اعلان اور بت پرستی سے منع کرنے پر آگ میں ڈالا تھا۔ آج تک برابر اس کی نقل ہولی کے نام سے کی جارہی ہے اور ان کے بت بنا بنا کر جلائے جاتے ہیں، جو اسلامی حکومت میں اسلام دشمنی اور تعصب کا سالانہ بڑا سخت پروپیگنڈا ہے مگر ہر جگہ ہو رہا ہے بند نہیں کیا گیا۔ سکھوں نے جو عہد کیا تھا کہ جب تک اسلام کو نہ ختم کر دیں گے ایک بال نہ کٹائیں گے مگر مسلم حکومت نے اس اسلام دشمنی کے عہد کی ممانعت یا اس پر دارو گیر نہیں کی۔ ورنہ صدیوں کی مسلم حکومتوں میں آج تک کیسے یہ چیزیں باقی رہ سکتی تھیں۔ بلکہ کیسے کوئی کافر دنیا میں رہ سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا۔ تمام مخالفین غیر مسلموں کو عام معافی دے دی تھی بلکہ بعض سرغنہ دشمنوں کے لیے تو اس قدر اعلان تھا کہ جو شخص اُس کے گھر میں داخل ہو جائے اُس کو امن ہے۔ مسلم موجودہ حکومت نے بھی باوجود اس کے کہ ہندوستان میں آج تک بھی کہیں کسی مسلمان کی جان مال آبرو محفوظ نہیں آئے دن غنڈے حکومت کے لوگوں سے مل کر اسکیم بناتے اور خود کوئی شوشہ چھوڑ ایک دم حملہ اور غفلت میں قتل و غارت سے مسلمانوں کو تباہ کر دیتے ہیں اور جب وہ مقابلہ پر آجاتے ہیں تو پولیس اُنہی کو گرفتار کر لیتی اور سزا دیتی یا مار ڈالتی ہے۔ لیکن پاکستان میں ہر ہندو آزادی سے اپنا کام کر رہا ہے بلکہ مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے ان کی آویزش کرا کرا کے کمزور کرتا رہتا ہے اور ملک کو نقصان پہنچا رہا ہے چنانچہ اسی حال سے بنگلہ دیش کو پاکستان سے کٹوا دیا ہے مگر اسلام کی رواداری اور حوصلہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔

(۴۷) معین پر لعنت حرام ہے

ہر شخص بلکہ ہر جانور بھی اپنے دشمن کو بُرا کہنے اور انتہائی بُرا کہنے سے نہیں چوکتا بلکہ جہاں تک کم از کم اس کی زبان مدد کر سکتی ہے اس کو نہیں چھوڑتا۔ مگر اسلام میں لعنت یعنی خدا تعالیٰ کی تمام رحمتوں سے دُور کرنے کی بددعا کسی ایسے دشمن کٹّے کافر کے لیے بھی نام لے کر کرنی جائز نہیں جس کا کفر پر مرنا یقینی نہ ہو، اگرچہ ہم کو اس سے بیحد تکالیف پہنچی ہوں بلکہ پوری قوم اور پورے مذہب کو نقصان پہنچا ہو۔ کیوں کہ لعنت نہایت ہی سخت ترین بددعا ہے کہ خدا تعالیٰ کی تمام دنیوی و اُخروی رحمتوں سے محروم کر دینے کی دُعا ہے اور احتمال ہے کہ اس نے گو کسی کو خبر نہ ہوئی ہو مگر اسلام دل دل میں مرنے سے پہلے قبول کر لیا یا تمام بدیوں سے توبہ کر لی ایسے کے لیے بھی

انسانی ہمدردی سے بالکل بے رخی نہیں کی جاتی ہے کہ احتمال ہے کہ پاک ہو گیا ہو کہ اگر وہ پاک صاف ہو کر مرا ہو تو پھر لعنت درست نہ ہو گی۔ اس احتمال پر ہی سارے عالم کو ایسی عام بد دعا سے محفوظ کر دیا گیا یہ ہے حوصلہ، ہاں کافروں پر چھوٹوں پر لعنت کہنا جائز ہے یعنی اگر وہ ایسے ہوں اور توبہ نہ کی ہو۔

(۴۸) انتقام کا قاعدہ

جب انسان کو دنیا میں ایسی عبادت کے لیے بھیجا گیا ہے جو عالم بالا میں نہیں ہو سکتی تھی تو اس عالم میں اس کی ہر ضرورت کی چیز فراہم کر دی اور عبادت کے آلات تمام جسم کے اعضا و قوی عطا فرما دیئے تو سب اعضاء و قویٰ اور دنیا بھر کی تمام چیزیں صرف اسی کام والے کے لیے ہیں نہ کہ دوسروں کے لیے۔ دوسروں کو تو ان کے طفیل میں ملتی ہیں لہٰذا ان سب اندرونی و بیرونی نعمتوں کو صرف اسی کام پر صرف کرنا ضروری ہے جس کے لیے انسان کو بطور امانت یہ عطا فرمائی گئی ہیں۔ اور دوسری جگہ استعمال خصوصاً اس کے خلاف صورتوں میں استعمال ایک خیانت ہے اور پھر ایسی طرح استعمال جس سے دوسروں کو نقصان یا تکلیف پہنچے ایک جرم ہے۔ اب اگر کوئی شخص تخلیقی غرض کے سوا کسی اور غرض میں استعمال کرتا ہے تو خدا کی ہر مخلوق کو اسے روکنے کا حق ہے اور اگر دوسرے کی تکلیف میں استعمال کرتا ہے تو اسلام نے انتقام کی بھی اجازت دی ہے بشرطیکہ اس کی برابر تکلیف کا ہو زائد نہ ہو اور معافی پر اجر و ثواب ہے کہ نہ انتقام سے بالکل منع کیا کہ اس کی جان کا بھی حق نہ زائد کی اجازت کہ دوسرے پر ظلم ہے مگر معافی میں دوسرے کا دنیوی اور اس کا اخروی فائدہ اور اپنا حق چھوڑ دینا سب کو درست ہوتا ہے۔ انتقام نہ لینا درست ہی نہیں ثواب ہے۔

M. Yusuf

(۴۹) جمہوریت اسلامیہ و یورپیہ

امور سلطنت میں سے معمولی امور میں ہر طرح کی اجازت اور اہم امور میں جمہوریت ہے۔ مگر جمہوریت دو قسم کی ہے۔ ایک یورپی جمہوریت، دوسری اسلامی جمہوریت، یورپی جمہوریت اکثریت پر فیصلہ اور اسلامی جمہوریت میں سب کی رائیں لے کر ان پر غور کر کے خود حاکم کا قوی ترین حکم پر فیصلہ دینا ہے اگر یورپ کے اثرات سے خالی ہو کر غور کیا جائے تو صرف اسلامی جمہوریت ہی قابلِ قبول بلکہ تمام دنیا کے ہر ہر کام میں ہر ہر شخص کی معمول ہے اور یورپی جمہوریت کا دنیا بھر میں کہیں وجود ہی نہیں صرف دھوکہ ہی دھوکہ ہے اور خطرناک صورت سے ہے۔ اکثریت تو دنیا میں غیر شریفوں بے وقوفوں کم عقلوں کم علموں کی ہے۔ اکثریت پر مدار ہو گا تو انہی پر مدار ہوگا۔ اگر اکثریت کسی خاص اثر کی وجہ سے حرام کو حلال، حلال کو حرام قرار دے لے تو سب کی گمراہی کا ذریعہ ہے جس کی نظیریں ہمارے ملک میں آج بھی موجود ہیں عائلی قوانین اور رجم کو غیر شرعی قرار دینا حرام کو حلال، حلال کو حرام کرنا ہو رہا ہے اکثریت تو ایک ڈھونگ ہے کیونکہ پارٹیوں کی رائے اپنے سربراہ کی رائے کے تابع ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک ہی ہوتا ہے اس لیے اس جمہوریت کا دنیا بھر میں کہیں وجود ہی نہیں ہو سکتا صرف دھوکہ ہوتا ہے۔ اس کو عوام کی حکومت کہہ کر سخت دھوکہ دیا جاتا ہے حالانکہ حکومت جیتنے والی پارٹی کے سربراہ کی ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک فرد عوام ہے تو ہر ایک فرد عوام ہو سکتا ہے۔ اس عوام کی حکومت دوسروں کے خلاف کہنا درست نہیں، سپاہی سے لے کر اس کے انتہائی افسر تک ایسے ہی فوج اور ہر محکمہ میں نیچے سے اوپر تک ایک ایک افسر ہوتا ہے وہی سیاہ و سفید کرتا ہے کہاں کی جمہوریت، اگر سارے احکام ہر محکمہ کے انفرادی ہیں تو اہم احکام کیوں نہیں پھر جمہوریت کی بنیاد خدائی جمہوریت ہے کہ تین خدا ماننے والوں کو اس کی ضرورت ہے یہ توحید والوں کے خلاف چیز ہے ابتدا سے

دنیا سے آج تک تمام مقدمات اھم سے اھم مقدمات کے فیصلے ایک حاکم سے ہوتے ہیں اور سب کا نظام اسی پر چل رہا ہے۔ کہیں جمہوریت اکثریت کی ضرورت نہیں برطانیہ میں اٹیلی یا چرچل کی حکومت ہوتی تھی نام جمہوریت تھا حکومت ایک کی۔

اسلامی جمہوریت ایک فطری مسئلہ ہے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور چھوٹے بڑے کام پر ہر شخص کے یہاں بلکہ جمہوریت یورپی کے دلدادگان کے یہاں بھی یہی جمہوریت رائج اور ہر ہر جگہ کارآمد ہے۔ دیکھئے آپ کوئی کاروبار کریں۔ مقدمہ لڑائیں تقریب کریں۔ رشتہ منگنی نکاح کریں تعمیر کریں۔ کھیتی صناعی کارخانہ کوئی بھی کام کریں اس کام کے ماہرین سے مشورہ لیں گے ان ماہرین سے جن کو آپ ماہر سمجھیں۔ کسی گھاس کھودنے والے کسی اینٹیں بنانے والے، کپڑے دھونے والے مزدور یا بھیک مانگنے والے سے کبھی مشورہ نہ کریں گے یہ حماقت سوائے یورپ کے کسی دوسری جگہ نہ ملے گی۔ پھر سب رائیں معلوم کر کے خود غور و خوض کر کے ایک رائے قائم کریں گے اللہ پر بھروسہ ہوگا۔ سب کا اسی پر عمل ہے ابتدائے دنیا سے آج تک ہر شخص اسی جمہوریت پر ہر کام میں عمل کر رہا ہے۔ تمام دنیا میں ہمیشہ سے ہر محکمہ کا ایک ایک افسر رہا ہے اور اپنے نزدیک اہل لوگوں سے مشورے کر کے ذاتی رائے پر کام کرتا رہا ہے ہر مقدمہ میں حاکم سب کے بیانات لیتا ماہران قانون سے مشورے لیتا اور پھر خود فیصلہ دیتا ہے اسلام اسی فطری قانون سے کام لیتا ہے۔ اہل لوگوں سے مشورہ لے کر حاکم اللہ کے بھروسہ پر فیصلہ دیتا ہے۔ نہ معلوم یورپ کے گرویدہ لوگ کیوں گہری عقل سے کام نہیں لیتے۔

(۵۰) غلامی نام کا بے مثال قانون

اسلام میں غلامی کا مسئلہ جسے غیر مسلموں نے ڈر کی وجہ سے ایک ہوا بنا ڈالا ہے۔ شاید ایسا اندیشہ ہے کہ جب ان کی فوج یہ سن لے گی تو سپاہی اس ڈر سے استعفیٰ دیدیں گے

یا شروع سے ہی بھرتی نہ ہوں گے۔ اس کو ہیبت ناک صورت میں پیش کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات اور میل جول سے مسلمان بھی اس کو چھوڑ بیٹھے ہیں کہ آج اُن کا وجود ہی دنیا میں نہیں رہا۔ آپ غور کیجئے دیکھئے کہ اس میں کافروں کی کیسی زبردست چال ہے۔ آخر مسلمانوں میں سے ہی ایسے لوگ کھڑے کیے جو جہاد اور غلامی کو اسلام سے خارج کرادیں اور وہ وقتاً فوقتاً زور لگاتے رہتے ہیں۔

غلام بنانا دراصل انسانی وجود کی اصلی غرض کی بغاوت کی سزا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ دنیا میں آنے کی اصلی غرض کو اختیار کرتے نہ یہ کہ اس برائے نام سزا اور بہترین نعمت کو برا سمجھنے لگے۔ اسلام میں غلام کسی غریب فاقہ زدہ قحط کے مبتلا کو خریدنے سے نہیں ہوتا جیسے غیر مسلموں میں ہوتا ہے اور قدیم ترین زمانہ سے ہوتا آرہا ہے۔ اسلام میں قحط وفاقے کے بچوں، بڑوں کو بیچنا حرام ہے اور خریدنا بھی حرام ہے ان کی تو مدد سب کو کرنا چاہیے۔ یہ صرف کفر کی سزا میں ہے اگر قید سے پہلے مسلمان نہ ہو گئے ہوں۔ بظاہر ان کو غلام کہا جاتا ہے مگر حقیقت اور ہی کچھ ہے۔ آپ غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ غلامی نہیں ایک انعامی ہے ان کو توفیق ہوئی تو ہمیشہ ہمیشہ کے دوزخ کے عذاب سے اس طرح بچالیتا ہے ورنہ ویسے بھی راحت وآرام کا ایسا سبب ہے کہ بہت سے دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا غور سے سنیئے۔

اگر جنگ وجہاد میں ایک لاکھ قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں تو اب ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے اگر یہ ہو کہ سینہ پہ پستول رکھ کر کہا جائے کہ مسلمان ہو جاؤ، ورنہ مار ڈالیں گے تو اسلام اس ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ لا اکراہ فی الدین (دین قبول کرنے میں جبر نہیں) اور جہاد تو ضدی بھائیوں کے ساتھ اُن کو ہمیشہ کے عذاب سے بچنے یا کم از کم دنیا میں امن و امان کی زندگی دینے کے لیے ایک خیر خواہی کا اختیاری فریضہ تھا جیسے اوپر آچکا ہے۔ یا ویسے ہی ان سب کو مار ڈالا جاتے۔ جیسے بعض حکومتیں کرتی ہیں مگر اسلام اس ظلم کا بھی روادار نہیں یا ان

کو بھوکا پیاسا مارا جا۔ یہ تو اس شدید ظلم کے لیے بھی اسلام میں گنجائش نہیں یا پھر قید رکھ کر نگرانی کے لیے مضبوط قلعہ اور عملہ کے اخراجات اور ان کے روزانہ کی خورد و نوش وغیرہ کے اخراجات یعنی تقریبًا پانچ روپیہ روز فی کس پانچ لاکھ روپیہ کم سے کم روز کا خرچہ حکومت پر پڑے اور فائدہ ایک پیسہ کا بھی نہ ہو اور بھاگنے اور اسکیمیں بنانے اور باہر پہنچانے کے خطرات الگ مول لیے جائیں۔ بجائے اس سب کے اسلام میں ایک ایسا نفیس قانون ہے کہ دنیا بھر اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی کہ تمام فوجیوں پر ایک ایک تقسیم کر دیا جائے کہ ہر گھر پر ایک شخص کا خرچہ کا بار گراں نہیں ہو سکتا اور پھر جس کام کا وہ اہل ہو اس سے وہ کام لے لیا جائے اب وہ ہر ایک کے گھر کا ایک فرد بن کر رہے گا جو خود کھائیں وہ کھلائیں۔ جو خود پہنیں وہ پہنائیں۔ طاقت سے زیادہ کام نہ ڈالیں۔ ایک دن میں ستر غلطیاں معاف کر دیں اور مسلمانوں نے یہ سب کچھ کر کے دکھا دیا ہے۔ ان کو تعلیم دیں، کاروبار کرائیں، برابر کا کھلایا پیا یا جائے۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ امیر المؤمنین کی حیثیت سے بیت المقدس کے محاصرہ پر گئے تو وہاں پہنچنے کے وقت اونٹ پر سواری کی باری غلام کی تھی اور امیر المؤمنین کی نکیل پکڑنے کی، لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ کفار کیا کہیں گے۔ آپ سوار ہو جائیں مگر انصاف کے خلاف منظور نہیں کیا۔ ایسے برتاؤ پر صرف نام کی غلامی ہے اور لوگوں کا پروپیگنڈا ہے ورنہ یہ گھر کا فرد بنایا ہے۔

عورتوں کو بھی گھر کے کام سپرد کر کے ان کے اخراجات برداشت کرتے ہیں مگر عورت کی عصمت کا جب تک خصوصی محافظ نہ ہو، خطرہ رہتا ہے اس لیے جب نکاح کے معاہدہ سے ایک خاص قسم کے منافع کا حق حاصل ہوتا ہے تو کل کے معاہدے سے کل پر ہر حق حاصل ہونا عقل کی ہی بات ہے اور اس کے لیے عجیب نعمت ہے کہ اگر بچہ ہو گیا تو وہ آقا کے مرنے پر آزاد ہو جاتی ہے اور کبھی فروخت نہیں ہو گی۔ ان کی خرید و فروخت کا پروپیگنڈا بری طرح کیا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی ان کے حق میں بہترین قانون ہے کہ اگر مالک تنگ دست ہے اچھا کھانے پہننے کی گنجائش نہیں رکھتا تو وہ چند پیسے کسی سے لے کر دیدیگا، مگر لینے والا تو وہی ہو گا جو تنگدست نہ ہو۔ اس لیے اس کے پہلے

مالک کے یہاں اگر کھانے پینے کی تنگی ہو تو اس کو تو فراخی مل گئی وہ جیسا چاہے رہے۔ بہرکیف ان کو عمدہ سے عمدہ کھانے پینے کو ملتا رہے گا چاہے مالک تنگ رہے یا نہ رہے۔

پھر اسلام نے اس بر اتنے نام غلامی کو بھی اس طرح ختم کرا دیا کہ جو غلام باندی آزاد کر دے اس کو خود کو دوزخ سے آزادی مل جائے گی اور بہت سی صورتوں میں جبراً آزاد کرایا گیا۔ قتل خطا میں کفارہ، روزہ میں کفارہ، قسم میں کفارہ اور ذرا ذرا سی لغزشوں کے کفارہ میں اوّل چیز غلام آزاد کرنا ہے اور سب مسلمانوں نے اس پر عمل کیا ہے ورنہ جس قدر فتوحات اسلام کو حاصل ہوئیں اور جس قدر قیدی آتے رہے ہیں اگر سب برابر غلام ہی غلام رہتے تو دنیا بھر میں آج غلام ہی غلام باندیاں ہی باندیاں ملتیں بلکہ ملتا یہ ہے کہ بہت سے رئیس بہت سے بادشاہ بہت سے ادبا بہت سے علمائے دین آزاد کردہ غلام ہوتے ہیں جنھوں نے کچھ غلامی میں اور کچھ آزاد ہونے کے بعد یہ کمالات حاصل کئے ہیں۔

ایک عجیب انعام ان پر یہ ہوتا ہے کہ ایسے دین سے جو آج تک محروم رہے تھے اس وجہ سے محروم رہے کہ کافروں نے مسلمانوں کے مذہب کی خبر ہی نہ ہونے دی اور ان کو ہیبتناک بنا کر دکھاتے رہے تو جب مسلمانوں کے گھر گھر میں رہیں گے اسلام کو دیکھیں گے تو اگر دل قبول کرے گا تو مسلمان ہو کر دین و دنیا کی بےفکری کی زندگی راحت و آرام اور ہمیشہ ہمیشہ کے عذابات سے بچ کر ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں میں آ جاتے ہیں جس کی امید ان کو شاید کبھی بھی نہ ہوتی تو یہ غلامی وہ غلامی ہے جس پر سینکڑوں بادشاہتیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ اب آپ غور کیجئے کہ اس قانون سے بہتر دنیا بھر میں کوئی قانون ہے۔ کوئی ایسا قانون قیدیوں کا نہیں ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمیل احمد تھانوی ۱۲ جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

نام میں تاریخ کے لیے لفظ "سچی" کا اضافہ کیا جائے تو سنہ معلوم ہو سکتا ہے۔

سچی	خصوصیات	اسلام
۷۳	۱۱۹۷	۱۳۲

۱۴۰۲ھ

اِنسانی لاش

اِسلام میں میّت کا اِحترام

(از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی زید مجدہم)

دنیا کے تمام لوگوں میں یہ بات ہے کہ اولادِ عزیز قریب جب تک زندہ رہے اس کو آرام پہنچانے میں بھی عزت و خدمت کرنے کی ہر کوشش کی جاتی ہے اور اس کی ہر بات برداشت بھی کی جاتی ہے دوسرا کوئی اسے ذرا تکلیف دیتا ہے تو خون کھول جاتا ہے لیکن اس کی لاش کو بعض لوگ تو مر جانے کے بعد چھتوں پر یا جنگلوں میں پھینک دیتے ہیں بعض توڑ پھوڑ کر جلا دیتے ہیں۔ معلوم نہیں ان کے دل کیسے پتھر کے اور ایک منٹ بعد ہی ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ اس میں کیا کیا خرابیاں ہیں یہ بھی غور کرنے کی چیز ہے۔

نمبر(۱) اپنے اس عزیز کی لاش کو جس پر ایک دن پہلے جان و مال عزت سب کچھ قربان کی جا رہی تھی آج مرتے ہی مُردہ خور جانوروں سے اسے گھسٹواتے ہیں۔ جنگل جنگل پھنکواتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں۔ کیا عزیز ہونے کا یہی حق تھا۔

نمبر(۲) جو عزیز چند دن بلکہ چند منٹ پہلے گدّوں میں، قالینوں میں آرام کرتا تھا وہ اپنے ہاتھوں میں ردی لاش بن کر جنگل میں کانٹوں میں کھرچتی ادھر سے اُدھر ماری ماری پھرتی رہتی ہے خصوصاً ان ماؤں بہنوں کی لاش جنہیں لوگوں کی نظروں سے بچانا

بھی عزت سمجھا گیا تھا۔

نمبر(۳) جس کو بار بار غسل کرایا جاتا تھا خوشبوئیں لگوائی جاتی تھیں چند منٹ بعد وہ سڑتی گلتی لاش ہو کر دماغوں کو بدبو کے عذاب میں ڈالتی پھرتی ہیں۔

نمبر(۴) کل جس کی ہر بات پسند اور ہر ادا پسند تھی آج اس کی بدبو سے اپنی اور سب کی زندگی تلخ کر دیتے ہیں۔

نمبر(۵) کل تک جس کی تعریف و توصیف میں زبان خشک نہ ہوتی تھی اس بدبو اور سڑاند سے اس کو برا کہا جاتا ہے اور کل دنیا سے کہلوایا جاتا تھا۔

نمبر(۶) جس کی ایک انگلی کے درد سے سارا گھر پریشان ہو ہو جاتا، ڈاکٹروں کی فیسوں اور ہسپتالوں کے سارے جھگڑے برداشت کیے جاتے تھے آج اپنے ہاتھ درندوں پرندوں سے اس کے ایک ایک عضو کو نچواتے ہیں۔

بقول شاعر؎

کاگا چن چن کھائیو سارے بدن کا ماس
دو نینن مت کھائیو ہے پیا ملن کی آس

نمبر(۷) جس کو اعلیٰ سے اعلیٰ غالیچوں میں بھی کم حرمتی محسوس کی جاتی تھی آج گلی گلی اس کو روندوایا جا رہا ہے آخر ذرا سی دیر میں ــــ کیا سے کیا ہو گیا۔

نمبر(۸) جو اپنی حیثیت کے مطابق بہترین غذا استعمال کرتا تھا آج خود سے اسی کو نا پاک مردار جانوروں کی خوراک بنوا کر صفحہ ہستی سے مٹایا جا رہا ہے۔

نمبر(۹) جو کل تک بڑی بڑی کوٹھیوں محلوں میں آرام کرتا تھا کسی کو اس کی کسی بات کی ہوا بھی نہ لگتی آج اس کے سب عیب ساری دنیا میں ظاہر کیئے جا رہے ہیں جو خود اسے ہی اپنی عزت آبرو قرار دیا کرتے تھے۔

نمبر(۱۰) جس کی عزت و توقیر کے واسطے ساری قوم کی قوم ہر طرح کوشاں رہا کرتی

تھی۔ آج اسے اس طرح بے توقیری کا شکار کیے جاتے ہیں کہ کُتّے سُور گھسیٹتے پھرتے ہیں۔

نمبر (۱۱) غضب یہ کہ بعض لوگ جلا ڈالتے ہیں۔ جو زندگی میں ہاتھ پاؤں پر ذرا سی گرم چیز پڑ جانے سے حکیموں ڈاکٹروں کے یہاں کے چکر کھاتے، نذریں چڑھاتے تھے۔ آج اپنے ہاتھوں ایک ایک حصّہ کو جلا کر راکھ بنا رہے ہیں۔ ماں باپ سب بڑے دل کی عزت اور اولاد کی انتہائی مامتا ایک منٹ کے بعد اسی طرح پھونک کر راکھ بنائی جاتی ہے بتایئے تو سہی کہ آخر بڑوں کی عمر بھر کی مامتا شفقت و محبت اور پھول سے بچوں پہ رحم کرم ایک دم کہاں جا تا رہتا ہے وہ اس قدر سخت ترین بیدردی اور انتہائی ظالمانہ روش سے ایک دم کیسے بدل جاتا ہے۔

نمبر (۱۲) جن جن صاحبوں کو ہمارا اور ہم کو ان کا پھانس تک چبھنا گوارا نہ تھا حیرت ہے کہ ان کے سر چہرے گردن ہڈیاں انہی ہاتھوں سے اینٹ پتھر کی طرح توڑ دی جاتی ہیں اور کسی کے دل پر خیال بھی نہیں گذرتا کہ انھوں نے ہم پر کیا کیا احسانات کیئے تھے اور ہم ان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ ایسی بیدردی جو کسی دشمن سے دشمن کے ساتھ گوارا نہیں ہو سکتی، کسی جانور اور خبیث سے خبیث جانور کے لیے بھی پسند نہیں ہو سکتی وہ اپنے محسنوں کے محبوبوں کے اور اعزہ کے ساتھ بے دھڑک برتی جاتی ہے معلوم نہیں اس وقت سینوں میں دل اور عقلوں میں احساس باقی رہتا ہے —— یا نہیں ہر شخص کو یہ سوچنا چاہیے کہ کل اس کے لیے کیا ہوتا ہے۔

نمبر (۱۳) جن ماں باپ، بہن بھائیوں عزیزوں دوستوں نے ہمیشہ ذرا ذرا سی تکلیف پر ہر مشقت برداشت کی، راتوں کو جاگ جاگ کر صبح کی ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کیا۔ علاج، تیمارداری میں پانی کی طرح روپیہ بہایا ہر طرح کا دکھ خود اٹھایا مگر ان کو ذرہ برابر گزند نہ پہنچنے دی تھی۔ اس محبت شفقت اور ہر وقت کی جانثاری کا کیا یہی بدلہ ہے کہ آج اپنے ہاتھوں ان کے ہاتھ پیر توڑ دیتے جائیں۔

نمبر(۱۴) ساری دنیا کا بلکہ سب کا قاعدہ ہے کہ جو چیز کسی کے بھی کام آسکتی ہو اس کو بالکل فنا نہیں کیا جاتا یا وہ کچھ بھی عزت کی ہو اس کو بھی ضائع نہیں کیا جاتا جو بالکل بے عزت بیکار ہو کسی کام کی نہ ہو بالکل ردّی ہو اس کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں، لاش کو جلانا اس کے بے عزت، بیکا ذلیل خوار ہونے کی دلیل ہے، کل تک جس کی عزت ہی عزت تھی آج ایسی ذلت دی جا رہی ہے اور اپنے ہی اپنے دے رہے ہیں۔

نمبر(۱۵) ہر چیز کو انتہائی ذلیل کرنے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ جلا کر خاک کر دیں اور خاک کو ہوا میں اڑا دیں یا پانی میں بہا دیں کہ اس کا کوئی نشان تک باقی نہ رہے۔ معلوم نہیں ایک منٹ میں عزیز سے عزیز ذلیل کیسے ہو جاتا ہے۔

نمبر(۱۶) لاش کو جلانے سے دُور دُور تک ہوا اور فضا میں سخت بدبو پھیلتی ہے جو تمام جانداروں کے لیے بیماری پھیلنے کا سبب ہے اور نہ معلوم کتنوں کی موت واقع ہوتی ہوگی۔ بعض لوگوں نے اس سے بچنے کے لیے کئی سیر گھی کا خوب ڈالنا لازم بتایا تھا، مگر اوّل تو ہر شخص اس کا تحمل نہیں کر سکتا اس لیے فضا کے خراب ہونے میں کمی نہ ہوگی، دوسرے جس زمانہ میں اصلی گھی نہ ملے گا تو کسی اور شے کے ڈالنے سے بدبو دور نہ ہوگی، اور ملک کی فضا برابر خراب و خطرناک رہے گی اور جس زمین میں جلا دیا جاتے گا اس کی قوت نامیہ فنا ہو جائیگی۔

نمبر(۱۷) بعض لوگ یہ تاویل کریں گے کہ آگ پاک کرنے والی چیز ہے، ہر ناپاک چیز جل کر پاک ہو جاتی ہے اس لیے آگ میں جلانا اچھا ہے ———

جواب یہ ہے کہ یہ دھوکہ ہو رہا ہے، انسان نام ہے روح اور جسم دونوں کا مگر اصل روح ہے، جسم ایک لباس ہے ہاتھ پیر آلات ہیں جو کام بھی اچھا یا بُرا وہ اصل کام رُوح کا ہے، آلات خود تو کچھ نہیں کر سکتے اسی لیے تو مرنے کے بعد۔ بیکار ہو جاتے ہیں انسان میں سے صرف روح ہی تو نکلتی ہے اور سب اعضا موجود ہیں ان لوگوں نے کفر کی وجہ سے روح کو ناپاک تسلیم کر لیا اور پھر تمام بدیوں کو تسلیم کر لیا ناپاک گردانا، مگر غلطی کی، یا قاعدہ نہ ہونے کی وجہ سے روح کا تو کچھ نہ کر سکے

جسم کو ناپاک قرار دے کر جلانا تجویز کر دیا، قصور تو جو کچھ ناپاک ہونے میں ہے وہ رُوح کا ہے نہ کہ جسم کا۔ جسم تو بے حس و حرکت ہے روح کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا مگر علاج کیا جاتا ہے روح کی جگہ جسم کا اس کو جلا کر پاک کرنا ہے۔ صحیح کام اگر کر سکتے ہوں تو روح کو جلائیں اسے پاک کر لیں ورنہ وہ دوسرے جہان ہی میں جل جل کر رہا کرے گی۔

نمبر (۱۸) اعتراض بھی کیا جاتا ہوگا کہ دفن میں جسم گلتا سڑتا ہے۔ بدبو دیتا ہے اور مدت تک دیتا ہے جلنے میں ذرا دیر میں ختم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بھی دھوکہ ہے۔ جلنے میں جو بدبو ہوتی ہے وہ تمام دنیا کی فضا مسموم کر دیتی ہے اور سب کے لیے خطرناک بن رہی ہے اور اس کے دفن میں مٹی کے نیچے اگر بو گئی بھی تو باہر کسی جاندار کو اس سے اثر نہیں ہو سکتا ہاں اگر ایک دو دن دفن کر کے سڑی ہوئی لاش کو نکال کر رکھتے تو بدبو پھیلتی اور فضا کو خراب کرتی جیسے جلنے کی بُو خراب کرتی ہے یہاں یہ بات نہیں ہے بلکہ بہت جلد رطوبات کو زمین جذب کر لیتی ہے۔

نمبر (۱۹) آگ ایک خیانت والی چیز ہے جو چیز اس کے حوالہ کی جاتی ہے اسے فنا کرتی ہے۔ جلا پھونک ڈالتی ہے اور زمین امانتدار ہے جو چیز اس کو سونپی جاتی ہے وہ باقی رہتی ہے۔ خیانت والی چیز سے امانت دار ہی بہتر ہے اسی لیے ہر شخص جس کو باقی رکھنا چاہتا ہے زیور اور سونا مال خزانہ وہ زمین ہی کے سپرد کرتا ہے اور جس کو نیست و نابود کرنا ہو اسے آگ میں ڈال دیتے ہیں۔

نمبر (۲۰) آگ سے نام و نشان تک غائب ہو جاتا ہے اور مٹی میں رکھنے سے ہاتھ پیر ہاجوڑ بند سب اپنی شکل و صورت پر رہتے ہیں کہ جیسے سو رہا ہو۔ عزت اس میں ہے نہ کہ اُس میں۔

نمبر (۲۱) انسانوں میں اور جنوں میں یہ فرق ہے کہ ان میں آگ کا مادہ غالب ہے اور انسانوں میں مٹی کا۔ پھر ہر چیز اپنی اصل کی طرف واپس ہونی ضروری ہے جن آگ میں، انسان مٹی میں۔ ورنہ الٹا کام ہوگا۔

روح لطیف چیز تھی آگ اور دھوئیں سے مل کر اس میں شیطان اور جنوں
نمبر (۲۲) کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے یہ روحیں شیطان اور جنوں کی طرح انسانوں
کو جھٹ چمٹ کر اذیت دیتی ہیں۔ اسی کو تو بد روح کہتے ہیں۔ یہ انسان دشمنی ہے۔

سبستان کے ایک عالم سے تفسیر فتح العزیز میں نقل ہے کہ اس نے ایک
نمبر (۲۳) ہندو سے اس مسئلہ میں سوال کیا تھا اگر کوئی شخص کسی ملک میں جائے
وہاں نکاح کرے اور ایک پکانے والی کو نوکر رکھ لے۔ اس کے ایک لڑکا ہو جائے۔ پھر
سفر پر جانے لگے تو لڑکا کس کے سپرد کرے۔ پکانے والی کے یا بچہ کی ماں کے۔ اس نے
کہا پکانے والی کو نہیں ماں کو سونپ دے۔ عالم نے کہا اب سنیئے۔ روح جب آسمان سے
دنیا میں آئی اور پیدا کرنے والے نے زمین سے ایک بدن اس کو عطا فرمایا اور ہر قسم کی
غذائیں دوائیں، لباس، راحت، آرام، رہنے سہنے کی جگہ اور طرح طرح کے پھل میوے
پھول بھی اس کو زمین سے پہنچائے اور یہ زمین اس کی ماتا قرار پائی اور آگ سوائے کھانے
پکانے کے اور کسی کام کی نہ ہوئی اس لیے یہ پکانے والی ہوئی تو روح جب اپنے گھر جانے لگے
تو اپنے ملے ہوئے بدن کو جس کی جڑ، بنیاد غذا روٹی سب چیز زمین سے ہیں زمین ماتا کے سپرد
کرے یا پکانے والی کے، اس نے تسلیم کر لیا کہ واقعی زمین کے سپرد کرنا چاہیئے۔

جلا دینا تو پیدا کرنے والے کی قدرۃ کا انکار یا تماشا کرانا ہے کہ اگر جسم موجود
نمبر (۲۴) ہوگا تو اس پر طرح طرح کی افتادیں ڈالی جاسکتی ہیں جب نہیں ہوگا تو اس پر
کوئی اذیت یا افتاد نہیں پڑ سکتی، گویا پیدا کرنے والے یعنی نیست سے ہست کرنے والے
کو اتنی قدرت تو ہو نہیں سکتی کہ وہ ذرہ ذرہ کو جمع کر سکے اس لیے جسم کا ذرّہ ذرّہ دُور دُور
پہنچا دیا جائے تاکہ اس کو کوئی گزند نہ پہنچ سکے، اس میں تخیل یا اس کے مشابہہ صورت میں
پیدا کرنے والی کی قدرتِ کاملہ کا انکار اور سزا کی قدرت نہ رہنا قرار دیا ہے جو انتہائی جرم ہے یا
اس کی قدرت کا مذاق و تماشا کرانا ہے جو پیدا کرنے والی ذات کی بے حد توہین ہے۔

نمبر(۲۵) موت تو نام ہے اس کا کہ "روح کا تعلق جسم سے تھا وہ نہیں رہا۔ روح عالم بالا کی چیز تھی وہ عالم بالا کو پہنچ گئی۔ جب جسم کے عالم کا تھا اس میں رہ گیا، صحیح سالم یا جل کر خاک کا ذرہ ذرہ ہو کر مگر روح تو صحیح سالم رہی گو وہ دوسرے عالم میں رہے گی خیر میں یا شر میں مگر وہ ذرہ ذرہ نہیں بنائی گئی نہ انسانوں سے بنائی جا سکی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ روح کا تعلق اس جسم یا ذرات جسم سے باقی رہتا ہے یا نہیں۔ اگر باقی رہتا ہے تو جسم کی تکلیف اور جلانے سے رُوح کو بھی شدید تکلیف ہوگی ورنہ اینٹ پتھر کی طرح ہوگا کہ جلانے سے تکلیف کا احساس نہ ہوگا مگر جلی ہوئی پکی اینٹ میں سبزہ اُگنے کی قوت باقی نہیں رہتی اس میں بھی نہ رہے گی یعنی جس قدر اصلی کام مٹی کی اینٹ کا تھا وہ باطل ہو گیا، تو اس قدر نقصان پہنچانا اس وقت بھی ماننا ہوگا جبکہ رُوح کا تعلق جسم سے بالکل نہ قرار دیا جائے۔ تو کچھ نہ کچھ جرم یہ بھی رہے گا جو اولاد اور عزیزوں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ثابت ہوگا۔

M. D..

اور اگر تعلق باقی رہتا ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سوتے میں روح بقول فلاسفر دماغ میں اور بقول اہلِ اسلام خالق کے پاس پہنچتی ہے اور جسے زندہ رکھتا ہے اس کی لوٹ آتی ہے دوسری نہیں آتی۔ تو سوتے میں باوجود رُوح کے وہاں نہ ہونے کے پاؤں میں سُوئی چبھانے سے تکلیف ہوتی ہے تو اتنا تعلق پھر بھی باقی رہتا ہے اسلام نے تو جینا، جلانا اسلام کا جواب دینا، اور عذاب و ثواب کا ادراک بیان کیا ہے دوسروں کے یہاں بھی کچھ نہ کچھ ادراک و تعلق نیند کا سا یا اس سے ذرا کم سہی ضرور ہوتا ہے۔ تو سوچنا چاہیے کہ عزیزوں بزرگوں خوردوں کو توڑ پھوڑ کر جلانے خاک کرنے سے کس قدر تکلیف دی جا رہی ہے خصوصاً ان ماں باپ کو جن کا احسان اور حق سب سے زیادہ تھا۔ کیونکہ ہر کمال زندگی سے ہی حاصل ہوتا ہے اور دنیا کا وجود زندگی ان کے ذریعہ ہی حاصل ہوتی ہے تو ہر کمال کا ذریعہ وہی ہیں اور اُن کے اس احسان کے بدلہ میں یہ حرکت غور کیجئے کیسی ہے۔

اسلام میں یہ باتیں دُور دُور تک نہیں ان سے بالکل پاک و صاف ہے بلکہ لاش

کر پاک و صاف کیا جاتا ہے۔ سفید لباس پہنایا جاتا ہے۔ خوشبوئیں زیادہ سے زیادہ لگائی جاتی ہیں کافور بہت استعمال کیا جاتا ہے تاکہ کیڑے دیر تک نہ آنے پائیں۔ اور سب مسلمان اپنے مالک کے حضور میں کھڑے ہوتے !! اس کے قاعدے کے مطابق اس کی برائیوں کے بخشش دینے کی دعائیں کرتے ہیں۔ دعا و سلام کے بعد کاندھوں پر اٹھا کر ادب و احترام سے لے جاتے ہیں اور زمین میں قاعدے کے موافق جگہ بنا کر قبلہ کی طرف منہ کر کے لٹا دیتے ہیں۔ اوپر لکڑی پتھر کی چھت بناتے ہیں کہ لاش پر کچھ نہ گر سکے۔ بند کر کے مالکِ دوجہاں کے سپرد کرتے ہیں قواعد کے مطابق جس سے جس قدر ہو سکے نیک نیک کام خیر خیرات وغیرہ کر کے مالکِ دوجہاں سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اس کا بدلہ اس مرنے والے کو ملے جیسے تنخواہ مزدوری وغیرہ میں ہوتا ہے کہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں کو دے دینا۔

اسلام کا قاعدہ ہے کہ مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسے ہی جرم شدید ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا اس لیے ہر کام میں نہایت ہلکاپن ہے جس سے زندگی میں اذیت ہوتی تھی نہ ہونے پائے اور جس قدر ہو سکے دعائیں کرتے رہیں۔ یہ ہے اسلام کی موت جس پر سب کو مرنا چاہیے۔

نمبر (۲۶) انسان کو انسان اسی لیے تو کہتے ہیں کہ اس میں انس رکھا گیا ہے جس جس کے ساتھ کچھ عرصہ بھی رہ لیتا ہے اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ گھر سے، گاؤں، قصبہ شہر، ملک سے، پالتو جانوروں سے اور ہر ہر چیز سے اور حالات و صفات روح میں حاصل ہوتے ہیں بے روح کچھ نہیں ہوتا تو ہر انسان کو جب غیروں سے ہوتا تو اس کی روح کو اس کے جسم سے ضرور ہے کہ انس ہوگا۔ بعد علیحدگی کے بھی کبھی نہ کبھی یا ہر وقت اس قالب سے ملنا چاہے گی بلکہ نیند کی طرح ہر وقت کسی نہ کسی درجہ میں اس سے وابستگی رہے گی گو جاگنے کی قسم کی وابستگی نہ ہوگی مگر جلا کر جب جسم ذرہ ذرہ کر کے کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہوگا تو اس کی یہ انسیت کس قدر بے قرار و بے چین ہوگی اس کا اندازہ پریشان لوگوں کو خوب ہو سکتا ہے۔ اب اس کو راحت پہنچانا کہیں گے یا سخت ترین اذیت۔

نمبر(۲۷) نیند نیند میں جیسے فرق ہوتا ہے کہ ایک ذرا سی آہٹ سے جاگ جاتا ہے۔ ایک ڈھول بجنے سے بھی نہیں اُٹھ پاتا اور سب نے دیکھ رکھا ہے کہ باوجود روح کے عالمِ بالا میں یا دماغ میں رہتے کے جو تعلق روح کا جسم رہتا ہے وہ قوی سے قوی اور کمزور سے کمزور تک بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح مرنے پر بھی موت میں فرق لازمی ہے۔ اور روح مادی چیز نہیں ہے۔ تو جیسے بجلی کو ادھر سے اُدھر ہونے میں دیر نہیں لگتی ایسے ہی اس میں دیر نہیں ہوتی۔ جیسے نیند نیند کا فرق دنیوی صحت کی کمی بیشی سے ہونا لازم ہے روح عالمِ بالا میں پہنچی ہوئی ہوگی تو اس کی قوت وضعف عالمِ بالا کے قوی وکمزور اثرات سے ہوگی جو روح کے ان اثرات سے قوی وضعیف بنیں گے جو اس کو صحیح دین، صحیح عمل، صحیح عالم بالا کی دھن سے ملتی ہے اسی سے موت موت میں تفاوت ہوگا جو انتہائی پاک ہوگا اس کا تعلق انتہائی قوت ہوگی۔ باقی درجہ بدرجہ کم۔ لیکن جس کے جسم کا کوئی ذرہ دوسرے ذرہ کے قریب نہ ہو تو یہ روح کو بے قرار کرنا اور سخت اذیت دینا ہوگا۔

نمبر(۲۸) بعض بعض روحوں کا جو اعلیٰ قسم کی پاک ہوں گی۔ جسموں سے قوی ترین تعلق لازمی ہے۔ پھر اس قوی تعلق سے جیسے دنیا میں فائدے پہنچتے تھے اب بھی کچھ نہ کچھ ضرور پہنچنے ضروری ہیں۔ جسم ایک ہی جگہ پورا کا پورا ہوگا تو تعلق باہمی روح وجسم کا پورا پورا ہوگا، رُوحانیت اور دل کی نورانیت جمع ہو کر پھر بھی دلوں کو عجیب کیف وسُرور عشق الٰہی کی لگن کی مدد دے سکتی ہے۔ جس کا تجربہ سب اس پایہ کے لوگوں کو اب بھی ہر وقت حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اگر جسم یک جا نہ ہوگا تو روح یکجا نہ ہوگی۔ نہ یہ قوت میسّر آسکے گی اس لیے ایسا کرنا روح کو بھی ذلیل وخوار کرنا ہے۔

نمبر(۲۹) انسان ساری مخلوقات سے اشرف ہے ہر مخلوق انسان کے لیے خادم اور کسی نہ کسی کام کی ہے اگر کسی مخلوق کی پوری نوع کی نوع دنیا سے غائب ہو جائے تو انسان کی کوئی نہ کوئی ضرورت اٹک جاتی ہے مگر انسان نہ رہے تو کسی کی ضرورت نہیں

الگتی اور جب تک انسان پیدا نہ ہوا تھا مخلوقات میں سے کسی کی ضرورت اس سے متعلق نہ تھی نہ بند تھی۔

پھر غذا انسان کے لیے جوہر اور مغز ہیں دوسروں کے لیے پتے، چھلکے وغیرہ اس کے لیے لطیف اور پکا کر قابلِ ہضم بنا کر، دوسروں کے لیے ویسے ہی، اس لیے انسان جو کسی بھی دین اور مذہب پر ہو اشرف المخلوقات ہے مذکورہ بالا رواجات میں انسان ارذل مخلوقات بنا دیا گیا ہے۔

خیال کیجئے کہ پیدا کرنے والے نے افضل و اشرف بنایا ہے اسے یوں ذلیل و حقیر کرنے والوں کا اس کی نظر میں کیا انجام ہونا چاہیے۔

نمبر (۳۰) اسلام کا حکم ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (القرآن) اور بیشک ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت عطا کی ہے) خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہر انسان کو دوسری تمام مخلوقات پر افضیلت حاصل ہے دنیا میں فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (اور بے شک ہم نے انسان کو بہتر بناوٹ میں پیدا کیا ہے) انسان ہر ایک انسان ہی ہے اور مخلوقات سے اس کی بناوٹ بہترین ہے جو غور کرنے سے ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے اسلام میں کسی بڑے سے بڑے دشمن، بدتر سے بدتر جانور کے لیے یہ باتیں پسند نہیں جو دوسرے لوگوں نے اپنے ادنی و اعلیٰ معزز سے معزز تک کے لیے معمول بنا رکھی ہیں۔ اس لیے سب کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

آخری بات

دنیا کی اولین لاش کے ساتھ جو معاملہ ہوا ہے وہ پیدا کرنے والے کے حکم یا اشارہ ہی سے تو ہوا ہے، اس کے بدلنے کا حق کس کو ہو سکتا ہے۔ اس کی تبدیلی تو اپنے پیدا کرنے والے کے اصول سے جنگ کے مترادف ہے اس کوشش کو دیکھ کر ہر شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ صحیح طریقہ پر کون ہے اور غلط پر کون۔ پیدا کرنے والے کا تابعدار کون ہے اور باغی کون؟

دُنیا کے سب سے اوّل انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے دو بیٹوں قابیل وہابیل میں نزاع ہوا، قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا۔ لاش کا سب سے پہلا واقعہ تھا سمجھ میں نہ آیا کیا کرے اگر چھوڑ دے تو راز کھل جائے گا۔ کمر پہ لادے لادے پھرتا رہا اور تنگ ہو گیا، قتل کے سنگین جرم کا افتتاح تھا۔ حضرت آدمؑ پر وحی سے اس کا علاج نہیں فرمایا گیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے دو کوّوں کو بھیجا۔ جنھوں نے لڑ لڑ کر ایک نے دوسرے کو مار ڈالا، پھر زندہ کوّے نے اپنے پنجوں سے زمین کھودی اور لاش کو اس میں ڈال کر دبا دیا۔ قابیل نے اس واقعہ سے سبق حاصل کیا اور ایسے ہی کر دیا۔

یہ سب سے پہلا واقعہ تو سب سے پہلی لاش کا تھا جو سنگین جرم کو وحی سے نہیں بلکہ کوّے کے ذریعہ اشارات میں بتایا گیا پھر اس کے بعد کے لیے حضرت آدم علیہ السلام پر نماز، غسل، کفن دفن کے احکام آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ مائدہ کی آیات

میں یہ اشارہ نازل فرما کر اوّلین لاشس کا سبق دیا ہے۔
اب غور کیجئے کہ اس معاملہ اوّلین خدائی حکم پر کس نے عمل کیا اور کس نے روگردانی کی۔

11/6/2000
8/3/1421 H
2:40 AM SUN

485

کتابت: محمد نواز عابد کیلانی۔ حضرت کیلیانوالہ۔ ضلع گوجرانوالہ